الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

پیغمبر اعظم نمبر

AUG. SEP. 1991

Rs. 1

۲۸۶/۹۲

اگست ستمبر سنہ ۱۹۹۱ء صفر و ربیع الاول سنہ ۱۴۱۲ھ

جلد نمبر ۱۶ شمارہ نمبر ۸-۹

ماہنامہ اشرفیہ

مبارک پور

بیادگار
حافظ ملت مولانا شاہ
عبد العزیز قدس سرہ
بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی علمی
اور روحانی اخلاقی ترجمان

مجلس مشاورت

مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی ● علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی
مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی ● مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

مدیر اعلیٰ:- محمد ادریس مصباحی
مدیر مسئول:- مبارک حسین مصباحی
منیجر:- محمد محبوب عزیزی مصباحی

زیر سرپرستی:- عزیز ملت حضرت علامہ
شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

قیمت فی شمارہ -/۴ روپئے
" سالانہ -/۴۰ روپئے

پیغمبر اعظم نمبر
قیمت ۱۰ روپئے

نیپال بنگلہ دیش سے -/۴۰ روپئے | پاکستان، سعودی عرب سے -/۱۵۰ روپئے | افریقہ، ہالینڈ، انگلینڈ سے -/۱۵۰ روپئے

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: منیجر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی
PIN ۲۷۶۴۰۴
فون نمبر ۴۸-۴۹

● ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ سے شائع کیا

«کاتب م عادل»

نقوش پیغمبر اعظم

شعراء پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

نوٹ:۔ قیمت میں اضافہ صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اداریہ

پیغمبر اعظم اور فلسفۂ عشق و اطاعت

مبارک حسین مصباحی

خالق کائنات نے کاروان آدم کو داخلی و خارجی، سماجی و معاشی بے شمار نعمتوں، صنعتوں اور عطیوں سے نوازا ہے۔ جن میں فکر و شعور کی دولت بے بہا بھی ہے، اور دولت و ثروت کا سرمایہ بھی، خورد و نوش کا نفع بخش ذخیرہ بھی ہے اور آب و ہوا کی بیش قیمت نعمت بھی، بصیرت و بصارت کا سرچشمہ بھی ہے اور دل و دماغ کی آفاقی قوت بھی خدا خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے

بلاشبہ اگر کار و بار ہستی کا جائزہ لیا جائے تو اذہان و قلوب اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان تخلیق پروردگار کا عظیم شاہکار ہے، انسان مسجود ملائکہ ہے، انسان زمین پر خدا کا نائب و خلیفہ ہے۔ بلکہ پوری کائنات اسی کی مطیع و فرمانبردار ہے، نظام عالم اسی کے لئے رواں دواں ہے۔ یہ لیل و نہار کی آمد و رفت، یہ سیارگان فلک کی چمک دمک، یہ نیلگوں آسمانوں کے شامیانے، یہ فرش گیتی کے گہوارے، یہ چمنستانوں کے لالہ زارے، یہ ہرے بھرے صحرائی سبزہ زارے، یہ کوہساروں کے طویل سلسلے، یہ وسیع و عریض سمندروں کی طلاطم خیز موجیں، یہ پر بہار موسموں کی نیرنگیاں، یہ نوع بہ نوع لذیذ و مفید غذائیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اسکی اطاعت شعاری اور سامان زیست کی فراہمی میں مصروف و گرداں ہے۔

کائنات کی سب سے عظیم نعمت

بنی نوع انسان کے پاس ان نعمتوں کے ہجوم اور عطیات کے سیل رواں میں ایک نعمت سب سے عظیم و برتر اور سب سے نفع بخش اور دلکش ہے۔ جسکے سامنے کائنات کی نعمتیں بے آب و بے معنی نظر آتی ہیں۔ وہ پیغمبروں کی مقدس سیرتیں اور ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔ جنکے ذریعہ پروردگار عالم نے گم گشتہ قوموں کو جادۂ منزل عطا کیا، مردہ اور پسپا قوموں میں ہمت و زندگی عطا فرمائی، جہالت و بربریت میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو علم و تمدن کی روشنی سے نوازا، ویران و تاریک دلوں کو رشد و ہدایت کا اجالا بخشا، غیر متمدن دنیا کو خود آگاہی اور خدا شناسی کا سبق پڑھایا، بد عمل و بدکردار جہان کو نکوکاری اور عمل صالح کا فلسفہ سمجھایا، اگر انسانیت کے دلکش و دیدہ زیب مرقع سے انبیاء و رسل کی مقدس سیرتوں اور تعلیمات کو نکال دیا جائے تو کاروان انسانیت کی پوری تاریخ ضلالت و گمراہی، جہالت و بربریت، جنگ و جدال، ظلم و جفا، قتل و غارتگری اور اوہام و خرافات کی انتہائی

بھیانک اور دلدوز داستان نظر آئیگی، جہاں نہ علم وجہالت میں فرق ہوگا، نہ نیک وبد میں امتیاز، نہ حق وباطل کا شعور ہوگا نہ ایمان وکفر کا تصور۔

آج انسانی دنیا کے طول وعرض میں ہمدردی وغم گساری کے پاکیزہ جذبات، احساس زیاں اور اخلاص ووفا کے مقدس خیالات، علم وتمدن کے اجالے، صلاح وفلاح کی شعاعیں، تجربات ومشاہدات کی فکر وکاوش، سائنس وٹیکنالوجی کی ترقیاں اور افکار ونظریات کی جو بلندیاں محسوس کی جارہی ہیں۔ یہ صرف اور صرف سلسلہ نبوت کی تعلیم وتبلیغ کے عطیات اور قافلہ رسالت کی حیات وسیرت کے نقوش کامل ہیں۔ یہ پیغمبروں کی عظیم جدوجہد اور آفاقی رشد وہدایت کے ثمرات ونتائج ہیں۔

انسانیت کے اس نجات دہندہ کاروان نبوت میں جس شخصیت کو سب سے زیادہ اوصاف وخصائص اور محاسن وکمالات سے سرفراز کیا گیا۔ اور جنکی آمد کو پروردگار عالم نے امت مسلمہ پر سب سے بڑے احسان سے تعبیر کیا ہے وہ پیغمبر اعظم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع صفات شخصیت ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران ۱۶۴)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے انھیں پاک کرتا ہے۔ اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

رسالت محمدی کی ہمہ گیری

آپ سے پہلے جتنے انبیاء کرام تشریف لائے تھے، سب کا عہد نبوت بھی محدود تھا اور میدان نبوت بھی متعین تھا، نیز عقائد وعبادات کے علاوہ اخلاقی تعلیمات کا سرمایہ بھی حیات انسانی کے تمام پہلوؤں کے لئے ناکافی تھا، اور وہ بھی کچھ امتداد زمانہ کی تہوں میں دب گیا۔ اور کچھ انکی قوم ونسل کی کج روی کا شکار ہوگیا۔ اس لئے آج نہ کسی نبی کے مکمل نقوش حیات موجود ہیں اور نہ تعلیمات وہدایات کی سچی تصویریں۔

خدا کی بارگاہ میں صد ہزار بار سجدۂ شکر پیش ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وسیرت کے مکمل خط وخال تعلیمات وارشادات کے تمام ذخائر بلا کم وکاست محفوظ ومامون اور ہر جگہ موجود ودستیاب ہیں۔ جن پر نہ حوادث زمانہ اثر انداز ہوسکے اور نہ معاندین ومخالفین کی چابک دستیاں۔

آپ کی رسالت کا سب سے بڑا کمال اور اعزاز یہ ہے کہ آپ کا دائرہ رسالت سب سے زیادہ وسیع وعریض اور ہمہ جہت وہمہ گیر ہے۔ جس میں دیگر ادیان ومذاہب کی طرح صرف عقائد وعبادات ہی نہیں بلکہ اخلاقی تعلیمات اور معاملاتی نظریات کا بھی اتنا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ جو کائنات کی وسعتوں کو محیط اور ہر شعبہ انسانی میں لائق تقلید اور قابل اتباع ہے۔

مدرسے ہوں یا مسجدیں، خانقاہیں ہوں یا دانش گاہیں، صنعت کدے ہوں یا تجارت گاہیں، خوشیوں

کی محفلیں ہوں یا عموں کی مجلسیں ہر جگہ اور ہر مرحلہ میں آپ ہی کی تعلیمات اور ہدایت و رہنمائی کے روشن مینارے ہیں۔ کلام معجز آپکی ہمہ گیر رسالت کی ترجمانی ان الفاظ سے کرتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا — اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو محیط ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ — اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

جس طرح آپکی رسالت تمام جہانوں اور مکانوں کے لئے عام و تام اور جاری و ساری ہے۔ اور کسی قسم کی کوئی حد بندی اور تقسیم نہیں، اسی طرح آپکی مقدس سیرت اور دل افروز حیات بھی ہر شعبۂ انسانی کے لئے مشعل راہ، نقش رہبر اور کامل نمونہ ہے۔ بلکہ کونین کی سرفرازی آپ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری میں مضمر ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے

پروردگار عالم کا یہ خطاب کسی ایک مکتبہ فکر یا کسی متعین خطے کے باشندوں کے لئے نہیں ہے بلکہ اسکی مخاطب پوری بنی نوع انسانیت ہے۔ گویا کہ ہر فرد بشر کے لئے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نمونہ اور قابل تقلید پہلو موجود ہے۔ عامی ہو یا خاصی، حاکم ہو یا افسر، امیر ہو یا وزیر خادم ہو یا آقا، تاجر ہو یا مزدور، جج ہو یا سپاہی، معلم ہو یا واعظ، لیڈر ہو یا ریفارمر، ادیب ہو یا فلسفی دیہاتی ہو یا شہری ہر طبقہ انسانی کے لئے آپ کی ہمہ گیر مقدس سیرت میں مثالی کردار موجود ہیں۔

اطاعت و فرمانبرداری

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی سے باخبر ہونے کے بعد اب اس حقیقت کو ذہنوں میں اتارنے کے لئے کسی مزید عقلی دلیل کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر حضور کی اطاعت و فرمانبرداری واجب قرار دیکر ایک ایسے سدابہار، صد ہزار رنگ اور حیات افروز گلشن میں پہنچا دیا ہے۔ جہاں مسام انسانیت کو معطر کرنے والی ہر خوشبو موجود ہے۔ اب ذیل میں بھرپور جذبہ ایمان و عمل کے ساتھ قرآن و حدیث کے ان احکامات کا مطالعہ فرمالیجئے۔ جن میں خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ رسول کی پیروی کو بھی واجب قرار دیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (انفال - ۲) — اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (نور - ۵۶) — اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء - ۸۰) — جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منھ پھیرا تو ہم نے تمھیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء - ۶۴) — اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ (نساء ـ ۵۹)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے، تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پہ ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (حشر ـ ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو، اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

عشق و محبت

انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ جسکے عشق میں سرشار رہتا ہے اسی کی اطاعت و پیروی میں سکون دل میسر آتا ہے۔ سچی اطاعت شعاری کے لئے جذبۂ عشق ضروری ہے۔ جب عشق کار فرما ہوتا ہے تو اطاعت و فرمانبرداری کی راہ میں کائنات کے تمام بندھن بے سود ثابت ہوتے ہیں۔ جبر و تشدد کا سہارا لے کر گردنیں تو جھکائی جا سکتی ہیں مگر دل نہیں جھک سکتے۔ تعزیرات کی بیڑیاں پہنا کر اطاعت کے لئے مجبور تو کیا جا سکتا ہے۔ مگر عمل میں جذبۂ اخلاص شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کوئی جبر و تشدد کا مذہب نہیں بلکہ اسکی بنیادیں مطمئن دلوں اور اخلاص و وفا کے مقدس جذبات پر قائم ہیں۔ اس لئے اطاعت رسول کی تمام بنیادیں عشق و محبت ہی پر قائم کی گئی ہیں۔ پہلے ایمان و عقیدہ کی روح عشق و محبت کو قرار دیا گیا ہے پھر اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (توبہ ـ ۲۴)

تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جسکے نقصان کا تمہیں ڈر ہے۔ اور تمہارے پسند کے مکان۔ یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اسکی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

ایک انسان کی زندگی میں قرابت داروں اور دولت و ثروت کی محبت فطری

چیز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی محبت کو ان سب پر مقدم رکھا ہے۔ اور خلاف ورزی کی صورت میں ایک بہت بڑے خطرے کی وعید بھی سنائی ہے۔ بلکہ عشق رسالت کے بغیر ایمان ہی نا مکمل ہے۔ اللہ کے رسول ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن ۔ (کتاب الایمان بخاری)

تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسکے نزدیک اسکے والد، اولاد اور سب لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسکے نزدیک اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سنکر حضرت عمر نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا اب کہیں تمھارا ایمان مکمل ہوا۔ (بخاری شریف)

اس میں حیرت استعجاب کی کیا بات ہے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے جو پیار و محبت اور گہرا تعلق ہے۔ وہ اعزہ واقارب تو دور کی بات ہے خود مومنوں کو بھی اپنی جانوں سے نہیں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔ (احزاب-۶)　　یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

مزید برآں ایک مومن کو جتنا فائدہ اپنے رسول سے ہو سکتا ہے مال و ثروت تو کیا اولاد و والدین بھی نہیں دے سکتے میدان عمل ہو یا قبر کی سخت منزل، حساب و کتاب کے مراحل ہوں یا میدان محشر میں کس مپرسی کا عالم ہر جگہ اور ہر مرحلہ میں نبی کی اطاعت و ہدایت اور شفقت و رحمت ہی کام آئیگی۔

عشق و اطاعت کے ثمرات

خالق کائنات نے قدم قدم پر پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کو جو ضروری اور واجب قرار دیا ہے۔ یہ سب بے مقصد اور بے معنی نہیں۔ بلکہ انسانی دنیا میں اسکے بے پناہ خوش کن نتائج اور حیات آفریں ثمرات کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ سیاسی و سماجی، دنیاوی و اخروی، دینی و اخلاقی تمام کامرانیاں اسی میں مضمر و پوشیدہ ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن و حدیث، عقل و نقل اور انسانی تجربات کے بے شمار تاریخی شواہد دستیاب ہیں۔ جذبۂ عشق و اطاعت کے ابھار کے لئے چند قرآنی ارشادات پیش ہیں۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ (سورۃ نور-۵۲)

اور جو حکم مانے اللہ کا اسکے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

مسلمانوں کی بات تو یہی ہے کہ جب اللہ اور رسول

یَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ نور — ۷۱)

کی طرف بلائے جائیں، کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے، کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہونچے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ (سورۃ احزاب — ۷۱)

اور جو اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (سورۃ نساء — ۱۳)

اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائیگا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ آل عمران — ۳۱)

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اور اللہ تمھیں دوست رکھیگا اور تمہارے گناہ بخشدیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا (سورۃ نساء — ۶۹)

اور جو اللہ اور اسکے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملیگا جن پر اللہ نے فضل کیا، یعنی انبیاء اور صدیق اور شہداء اور نیک لوگ یہ کیا ہی ساتھی ہیں۔

ایک بندہ مومن کے لئے اس سے بڑی سرفرازی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خالق و پالنہار خود اسکی کامیابی وکامرانی کی ضمانت دیدے۔ بلکہ یہ بشارتیں اور خوش خبریاں عشق و اطاعت ہی کی بنیاد پر ہیں۔ اور اگر اس میں خامی و کوتاہی ہے تو سب کچھ نہ مکمل ہے۔ بعض تخریب پسند اور آزاد خیال لوگ سادہ ذہنوں کو یہ فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اسلام میں خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کو واجب اور ضروری قرار دیکر انسان کی فطری آزادی کو سلب کیا گیا ہے۔ مگر اہل دانش اور انسانی تاریخ سے آشنا لوگوں پر مخفی نہیں۔ کہ رسول رحمت کی اطاعت و محبت کے وجوب میں حبس دوام اور قید مسلسل نہیں۔ بلکہ اسلام کے اس فلسفہ اطاعت نے بنی نوع انسان کو ہزاروں اوہام و خرافات اور قدم قدم پر ناکام ہونے والے افکار ونظریات سے نجات دلاکر ایک ایسی شاہراہ حیات عطا کی ہے۔ جہاں زندگی و بندگی کے تمام نقوش رہبر موجود ہیں۔ اور صرف افکار و نظریات ہی نہیں بلکہ فکر و نظر کی عملی اور تجرباتی تصویریں بھی موجود ہیں۔ جن پر عمل کرکے بلا امتیاز رنگ و نسل اور قوم و ملک پورا جہان امن وسکون اور تعمیر و ترقی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

ایک مثالی عہد کی تصویر شوق

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مقدس عہد پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کی عملداری کا اتنا پرشوق اور مثالی دور گزرا ہے۔ جسکے واقعات پڑھ کر طبیعت فرح و انبساط سے مچل اٹھتی ہے۔ اور دل و دماغ پر کیف و وارفتگی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ نبی رحمت کی ذات ان کے

لئے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے زیادہ محبوب ترین اور آپ کا ہر حکم ان کے لئے کائنات کی ہر دولت سے بڑھ کر ہوتا تھا۔ وہ عشق و ایمان کے اس منصب بلند پر فائز تھے۔ ان کی نگاہ میں حضور کے عشق و حکم کے سامنے ہر چیز بے کیف نظر آتی تھی۔ یہی جذبۂ شوق تو تھا کہ جو قوم صدیوں سے شراب کی عادی تھی۔ اسکے فضائل و مناقب پر قصیدے لکھتی تھی۔ مگر جب زبان رسالت سے حرمت کا حکم سنا تو لبوں سے لگے ہوئے پیالوں کو چکنا چور کر دیا۔ پردے کا حکم پاتے ہی خواتین اسلام نے اپنے جسموں اور زینتوں کو ڈھانپ لیا۔ ضمیر کی بیداری کا یہ عالم کہ دربار رسالت میں خود اقبال جرم کر کے اپنے اوپر سزا کا نفاذ کرایا۔ اسلام کے لئے جب کچھ طلب کیا گیا تو کسی نے نصف اور کسی نے گھر کا سارا اثاثہ ہی اپنے رسول کے قدموں میں لاکر ڈھیر کر دیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود نے صحابہ کے عشق و اطاعت کو دیکھ کر یہ تاثر پیش کیا۔ موصوف چونکہ اس وقت تک داخل اسلام نہیں ہوئے تھے اس لئے یہ تاثر اپنے کا نہیں بلکہ غیر کا ہے۔

"اے لوگو! خدا کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں بھی پہنچا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی ڈیوڑھیوں پر بھی حاضری دے چکا ہوں۔ خدا کی قسم کسی بادشاہ کی اتنی تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، جتنی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انکے اصحاب کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب کبھی بھی ان کی ناک سے رینٹ یا رطوبت نکلی وہ کسی نہ کسی شیدائی کے ہاتھ میں پڑی جسے اس نے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا، اور جب وہ اپنے اصحاب کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں۔ تو وہ اسکی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کے لئے جنگ کی نوبت آجاتی ہے۔ اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو وہ لوگ خاموش اور پرسکون رہتے ہیں۔ اور تعظیم و توقیر میں انکی طرف نظر بھر کر دیکھتے تک نہیں"۔ (صحیح بخاری)

بلاشبہ عہد صحابہ عشق و اطاعت حق و صداقت، اخلاص و وفا اور حسن عمل کا اتنا عظیم مثالی دور گذرا ہے جس نے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اور پورہ معاشرہ قول و عمل اور فکر و کردار کی ہم آہنگی کا اتنا سچا آئینہ دار تھا کہ ہزار تلاش و جستجو کے بعد بھی فکر و عمل میں تفریق اور بیتی کردار کا کوئی داغ نظر نہیں آتا وہ جس پیغمبر اعظم سے عشق کرتے تھے کردار و عمل کا نظام بھی اسی کے اشارۂ ابرو پر چلتا تھا۔ وہ جس رسول کے عشق کے خطبے مسجدوں میں پڑھتے تھے اسی کی اطاعت کشت زار حیات اور رزم گاہ عمل میں کرتے تھے۔ وہ جو تعلیمات بارگاہ رسالت سے حاصل کرتے تھے۔ عدالت و قضا کے مسائل بھی انھیں سے حل کرتے تھے۔ جن افکار و نظریات کا نفاذ گھر کی چہار دیواری میں ہوتا تھا۔ وہی بین اقوامی سطح پر کار فرما ہوتے تھے۔ حق و صداقت کے جو اصول منبروں سے نشر ہوتے تھے انھیں مقدس خطوط پر حکومت و ریاست کا نظم و نسق چلتا تھا۔ جو عقائد و افکار انفرادی دنیا میں جاری تھے وہی اجتماعی طبقات میں دائر تھے۔ جو درس عشق و اطاعت درسگاہوں سے پاتے تھے اسی کے مطابق پوری معاشرتی

تہذیب تشکیل پارہی تھی۔ عشق و محبت کے جن تقاضوں کی تکمیل نماز و روزہ میں مقصود ہوتی تھی۔ وہی مقصود میدان کارزار میں پیش نظر رہتا تھا۔

اس عشق و اطاعت کی سرمستی اور قول و عمل کی ہم آہنگی سے انکے معاشرہ میں اتنی عظیم اور حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ کہ پوری انسانی تاریخ اسکی مثال سے قاصر ہے۔ اتنی مختصر سی مدت میں اتنا آفاقی اور ہمہ گیر انقلاب! عقل انسانی آج تک انگشت بدندان اور ورطۂ حیرت میں ہے۔ ابتداء میں جس اسلامی ریاست کا رقبہ بمشکل سو مربع میل رہا ہوگا۔ آٹھ نو برس کی قلیل مدت میں پھیل کر دس بارہ لاکھ مربع میل ہوگیا تھا جس میں طبقاتی کشمکش، نسلی عصبیت، امیر و غریب میں فرق، دیہی اور شہری کا امتیاز ناپید تھا۔ اور ظلم و جفا، قتل و غارتگری، خیانت و رشوت ستانی، فریب و کذب بیانی وغیرہ جرائم کا نام و نشان نہ تھا۔ پوری قوم امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ جہاں حق و صداقت، عدل و انصاف، اخوت و مروت، غربا پروری اور حقوق ہمسائیگی کا پاس و لحاظ ہر فرد کی زندگی میں داخل تھا۔ معاشرتی مجلسوں سے لیکر بین اقوامی سطح تک بلند کردار و عمل اور اخلاص و وفا کی حکمرانی تھی۔ یہ صرف اور صرف پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کے مقدس ثمرات تھے۔

عہد حاضر کی بدحالی

آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ پھر وہی عہد جہالت عود کر آیا ہے پھر وہی ظلم و جفا، قتل و غارتگری، حق تلفی و ناانصافی، فریب کاری و رشوت ستانی کی ہمہ ہمی ہے ایک فرد کی زندگی سے لیکر بین الاقوامی سطح تک خوف و ہراس اور دہشت و بربریت کے بھیانک سائے دن بدن دراز ہورہے ہیں اولاد آدم سائنسی اور ٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقیوں کے باوجود انسانی اور اخلاقی پستیوں میں جا گری ہے۔ پوری انسانیت چند خواہشات کے شکنجے میں جکڑ کر رہ گئی ہے۔ دولت و اقتدار کے لئے ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم ہے۔ جرائم و فحاشی میں آئے دن اضافہ ہورہا ہے۔ انسان نصیاتی مسائل میں الجھ کر دل و دماغ کا سکون کھو بیٹھا ہے۔ عدل و انصاف، اخلاص عمل، حسن اخلاق، اخوت و مروت، رحم دلی اور انسانی حمیت سے انسانیت محروم ہوتی چلی جارہی ہے۔ اضطراب و کشمکش کے اس پرفتن دور میں جس طرف بھی نگاہ اٹھایئے ہولناک تاریکیوں کے سائے شش جہات گھنگھور گھٹاؤں کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ دور بہت دور خورشید ہدایت کی پرنور شمع جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جس نے تہ بہ تہ تاریکیوں کا کلیجہ چاک کیا تھا۔ اور پوری انسانیت رشد و ہدایت کی تابندہ شعاؤں میں نہا گئی تھی۔ آج پھر اسی شمع بزم ہدایت کی ضرورت ہے۔ آج پھر اسی خورشید رسالت کی پرنور جلوؤں کی ضرورت ہے۔ آج پھر ضرورت ہے کہ قوم مسلم اسلاف کے جذبہ عشق و اطاعت سے سرشار ہوجائے۔ ہر فرد مسلم دولت و مادیت اور عیش و عشرت کو ٹھوکر مار کر سیرت نبوی کے مطابق تعمیر حیات کا آغاز کردے۔ فریب نفس اور مغربی تہذیب و ثقافت سے کنارہ کش ہوکر اسلام کے دامن سے پوری طرح وابستہ ہوجائے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے ❊ مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے۔

★★

پیغمبر اعظم کے

ماہ و سال ایک نظر میں

ادارہ

عیسوی	ہجری	واقعات
۲۰ر اپریل ۵۷۱ء	۱۲ ربیع الاول ۱ میلادی	واقعہ فیل کے ۵۵ روز بعد موسم بہار میں بروز سوموار آپ کی ولادت مبارک ہوئی۔
۲۷ر اپریل ۵۷۱ء	۱۹ ربیع الاول ۱ میلادی	دادا نے عقیقہ میں ایک دنبہ ذبح کیا، اور ساتھ ہی حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیئے گئے۔
۵۷۴ء	۳ میلادی	شق صدر
۵۷۵ء	۴ میلادی	بنو سعد سے واپسی اور آغوش مادر میں۔
۵۷۶ء	۶ میلادی	ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ (والدہ رسول اللہ) کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی جب کہ رسول اللہ کی عمر چھ سال تھی۔ آپ وہیں دفن ہوئیں۔
۵۷۸ء	۸ میلادی	آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸ سال ۲ ماہ اور ۱۰ دن تھی۔
۵۸۲ء	۱۲ میلادی	بارہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کی طرف پہلا سفر کیا۔ بصریٰ کے گرجا میں راہب بحیرا سے ملاقات ہوئی جس نے آپ کے نبی ہونے کی پیش گوئی کی۔
۵۸۶ء	۱۵ میلادی	آپ نے حرب فجار میں پہلی بار شرکت کی۔ یہ جنگ قبائل کنانہ، عجز اور ہوازن کے درمیان برپا ہوئی۔
۵۸۷ء	۱۶ میلادی	حرب فجار میں دوسری بار شرکت کی جو قریش اور کنانہ اور بنو نضر بن معاویہ کے درمیان تھی۔
۵۹۰ء	۱۶ میلادی	معاہدہ حلف الفضول جو ابن جدعان کے مکان پر بنو ہاشم، زہرہ اور تیم کے درمیان ہوا۔
۲ر اپریل ۵۹۵ء	۲۳ میلادی	۲۵ سال کی عمر میں آپ نے بحیثیت تاجر حضرت خدیجہ کا مال تجارت

لے کر شام کی طرف دوسرا سفر کیا۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ہمراہ تھا۔

جون ۵۹۵ء ـــــ ۲۶ میلادی ـــــ سفر شام سے واپسی کے ۲ ماہ بعد آپ نے حضرت خدیجہ سے نکاح کیا۔ اس وقت عمر مبارک ۲۵ سال ۲ ماہ اور ۱۰ دن تھی۔

۶۰۰ء ـــــ ۳۳ میلادی ـــــ غیبی اسرار کے ظہور کا آغاز بعمر ۳۳ سال

۶۰۳ء ـــــ ۳۵ میلادی ـــــ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر اور حجر اسود کی تنصیب کا قصہ

۲ اگست ۶۱۰ء ـــــ ابعثت ـــــ بعثت بعمر ۴۰ سال ۶ ماہ اور ۸ یوم بروز سوموار بعثت کے روز ہی فجر و عصر کی دو، دو رکعتیں نماز فرض ہوئی آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ کے ہمراہ شام کی نماز پڑھی۔

۱۷ اگست ۶۱۰ء ـــــ ۱۸ رمضان انبوی ـــــ قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔

آتا ۳ نبوی خفیہ طور پر دار ارقم میں دعوت اسلام کا دور رہا۔

۳ نبوی اعلانیہ تبلیغ کا آغاز ہوا اور آپ نے پہلا خطاب عام فرمایا

۳ تا ۵ نبوی مخالفت کا پہلا دور اور ہلکا تشدد۔

۵ تا ۷ نبوی مخالفت کا دوسرا دور اور شدید تشدد

۶۱۵ء ـــــ رجب ۵ نبوی ـــــ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت۔ اس قافلہ میں ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں تھیں۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شامل تھیں۔

۶۱۶ء ـــــ ۶ نبوی ـــــ سید الشہداء حضرا امیر حمزہ اور حضرت عمر نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی روز خانہ کعبہ میں مسلمانوں نے نماز با جماعت پڑھی۔

۶۱۷ء ـــــ یکم محرم ۷ نبوی ـــــ معاشرتی مقاطعہ بروز منگل

۶۱۷ء ـــــ ۱۰ نبوی ـــــ مقاطعہ اور نظر بندی کا خاتمہ ہوا۔

۶۲۰ء ـــــ رمضان ۱۰ نبوی ـــــ عام الحزن

حضرت ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد حضرت خدیجہ بھی فوت ہو گئیں۔ انہیں بمقام حجون دفن کیا گیا۔ اس وقت تک جنازوں پر نماز کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔

۶۲۰ء ـــــ ۲۷ شوال ۱۰ نبوی ـــــ آپ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف کا سفر کیا۔ جہاں سے ہی قبائل عرب کو دعوت اسلام کا آغاز ہوا۔

۶۲۱ء ـــــ ۲۷ رجب ۱۰ نبوی ـــــ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال قبل بروز سوموار اسی رات روزانہ کی پانچوں نمازیں فرض ہوئیں

۶۶۲۱ ———— ذوالحجہ ———— قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں کا مکہ آکر اسلام قبول کرنا۔

۱۱ نبوی ———— اس جگہ مسجد عقبہ ہے۔

۶۶۲۱ ———— ۱۱ نبوی ———— حضرت مصعب بن عمیر کو تبلیغ دین کے لئے مدینہ روانہ کیا گیا۔

۶۶۲۱ ———— ۱۲ نبوی ———— بیعت عقبۃ الکبریٰ

ام المومنین حضرت سودہ سے آپ کا نکاح ہوا۔

۶۶۲۲ ———— ۲۷ صفر ———— مکّہ سے مدینہ کی طرف روانگی

۱۳ نبوی ———— غار ثور سے روانگی

یکم ربیع الاول ———— قبا میں داخلہ اور تعمیر مسجد قبا۔

۲۸ جون ۶۶۲۲ ———— ۱۲ ربیع الاول اھ ———— مدینہ میں داخلہ بروز سوموار

مدینہ میں پہلی نماز جمعہ محلّہ بنی سالم میں ہوئی۔

۵ جولائی ۶۶۲۲ ———— ۱۹ ربیع الاول اھ ———— تعمیر مسجد نبوی

مدینہ کا نام یثرب بدل کر مدینۃ النبی رکھا گیا

اگست ۶۶۲۲ ———— ربیع الثانی اھ ———— فرض نماز میں اضافہ

اذان کی ابتداء ہوئی۔

مہاجرین وانصار میں مواخات

فروری ۶۶۲۳ ———— شوال اھ ———— میثاق مدینہ

آپ کے حرم میں حضرت عائشہ کی تشریف آوری

مارچ ۶۶۲۳ ———— ذیقعدہ اھ ———— ہجرت کے ساتویں ماہ کے شروع میں نظام دفاع برسرعمل ہوا۔

اپریل ۶۶۲۳ ———— ذوالحج اھ ———— عبداللہ بن سلام (سابق یہودی) اور ابوقیس صرمہ بن ابی انس (سابق عیسائی راہب) کا قبول اسلام۔

مئی ۶۶۲۳ ———— ۱۲ صفر ۲ھ ———— ہجرت کے ایک سال ۲ ماہ اور ۱۰ دن بعد فرمان جہاد ہوا۔

جون ۶۶۲۳ ———— صفر ۲ھ ———— غزوہ ودان (ابوا)

جولائی ۶۶۲۳ ———— ربیع الاول ۲ھ ———— غزوہ بواط۔ اس میں مہاجرین کی تعداد دو سو تھی۔

غزوہ سفوان۔ کرز بن جابر فہری کی تلاش میں

اکتوبر ۶۶۲۳ ———— جمادی الثانی ۲ھ ———— غزوہ عشیرہ

نومبر ۶۶۲۳ ———— رجب ۲ھ ———— سریہ عبداللہ بن جحش اسدی

دسمبر ۶۶۲۳ ———— ۱۵ شعبان ۲ھ ———— بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا حکم بوقت نماز ظہر ہجرت کے سولہ ماہ بعد۔

جنوری ۶۶۲۴ ———— یکم رمضان ۲ھ ———— ماہ رمضان کے فرض روزوں کا حکم

عیسوی	ہجری	واقعہ
جنوری ۶۲۴ء		فریضہ زکوٰۃ کا حکم۔
جنوری ۶۲۴ء	۱۷ رمضان ۲ھ	غزوہ بدر
جنوری ۶۲۴ء		حضرت رقیہ بنت رسول اللہؐ کا انتقال عین بدر کے بعد۔
جنوری ۶۲۴ء		ازدواج حضرت علی اور حضرت فاطمہ
جنوری ۶۲۴ء		غزوہ بنی سلیم بدر کے سات دن بعد
فروری ۶۲۴ء	یکم شوال ۲ھ	عید الفطر کی نماز با جماعت ہوئی اور صدقہ فطر کا حکم ہوا۔
فروری ۶۲۴ء	شوال ۲ھ	غزوہ بنی قینقاع
فروری ۶۲۴ء	شوال ۲ھ	حضرت زینب اور حضرت زید کی شادی
اپریل ۶۲۴ء	ذی الحجہ ۲ھ	غزوہ سویق
اپریل ۶۲۴ء	ذی الحجہ ۲ھ	غزوہ غطفان۔ اسلامی لشکر کی تعداد ۴۲۵ تھی۔
جون ۶۲۴ء	ربیع الاول ۳ھ	ام کلثوم بنت رسول اللہؐ کی شادی حضرت عثمان سے آپ کا نکاح حضرت حفصہ بنت حضرت عمر سے
ستمبر ۶۲۴ء	جمادی الثانی	سریہ زید بن حارثہ
	۳ھ	
جنوری ۶۲۵ء	۱۵ شوال ۳ھ	غزوہ احد اسلامی لشکر کی تعداد ۷۰۰ تھی۔
		سود خوری کے ترک کے لئے ابتدائی نصیحت
		یتامی کے بارے میں احکام
		وراثت کے مفصل قانون کا اجراء۔
		قانون ازدواج اور مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت۔
		آپ کا نکاح حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین سے
مئی ۶۲۵ء	صفر ۴ھ	رجیع کا طلایہ گرد دستہ کی روانگی۔
		سریہ بر معونہ
		ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ کا انتقال
جون ۶۲۵ء	ربیع الاول ۴ھ	غزوہ بنی نضیر۔ اسی کے دوران حرمت شراب کا قطعی قانون نافذ ہوا۔
		غزوہ ذات الرقاع۔ اس میں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی تھی۔
		آپ نے حضرت ام سلمہ سے عقد فرمایا۔
جون ۶۲۶ء	صفر ۵ھ	آپ کا حضرت زینب بنت جحش سے عقد
جولائی ۶۲۶ء	ربیع الاول ۵ھ	غزوہ دومۃ الجندل
دسمبر ۶۲۶ء	شعبان ۵ھ	غزوہ بنی المصطلق۔ اسی سفر کے دوران تیمم کا حکم نازل ہوا۔

دسمبر ۶۲۶ء ——— شعبان ۵ھ ——— آپ کا ازدواج حضرت جویریہ کے ساتھ

دسمبر ۶۲۶ء ——— شعبان ۵ھ ——— زنا، قذف اور لعان کے فوجداری قوانین کا نفاذ نیز پردے کے تفصیلی احکام (واقعہ افک کے بعد)

فروری ۶۲۷ء ——— شوال ۵ھ ——— غزوہ خندق

اپریل ۶۲۷ء ——— ذیقعدہ ۵ھ ——— غزوہ بنی قریظہ

مئی ۶۲۷ء ——— ۲۰ محرم ۶ھ ——— سریہ قرطا اور ثمامہ بن اثال حنفی کا قبول اسلام۔

جون ۶۲۷ء ——— ربیع الاول ۶ھ ——— غزوہ بنی لحیان اس میں اسلامی لشکر کی تعداد ۲۰۰ تھی

جولائی ۶۲۷ء ——— ربیع الاول ۶ھ ——— غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ

جولائی ۶۲۷ء ——— ربیع الاول ۶ھ ——— سریہ عمر یا سریہ کاشہ بن محصن اسدی

اگست ۶۲۷ء ——— ربیع الثانی ۶ھ ——— محمد بن مسلمہ انصاری کا مقام ذوالقصد کی طرف مارچ۔

اگست ۶۲۷ء ——— ربیع الثانی ۶ھ ——— سریہ زید بن حارثہ بنو سلیم پر لشکر کشی

ستمبر ۶۲۷ء ——— جمادی الاول ۶ھ ——— سریہ زید بن حارثہ کفار کے تجارتی قافلے کے خلاف

اکتوبر ۶۲۷ء ——— جمادی الثانی ۶ھ ——— سریہ زید بن حارثہ جذامی قبیلہ کے خلاف

نومبر ۶۲۷ء ——— شعبان ۶ھ ——— دومتہ الجندل کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لشکر کی روانگی۔

نومبر ۶۲۷ء ——— شعبان ۶ھ ——— حضرت علی ابن ابی طالب کے لشکر کی بنو سعد بن بکر کی طرف روانگی۔

دسمبر ۶۲۷ء ——— رمضان ۶ھ ——— حضرت زید بن حارثہ کی ام قرفہ کی طرف لشکر کشی۔

دسمبر ۶۲۷ء ——— رمضان ۶ھ ——— عبداللہ بن عتیک کی لشکر کشی، سلام بن ابی حقیق یہودی کو قتل کرنے کے لئے۔

جنوری ۶۲۸ء ——— شوال ۶ھ ——— عبداللہ بن رواحہ کی اسیر بن رزام کی طرف لشکر کشی

جنوری ۶۲۸ء ——— شوال ۶ھ ——— کرز بن جابر فہری کی لشکر کشی

فروری ۶۲۸ء ——— یکم ذیقعدہ ——— آپ کی عمرہ کی نیت سے روانگی

فروری ۶۲۸ء ——— یکم ذیقعدہ ۶ھ ——— بیعت رضوان

فروری ۶۲۸ء ——— یکم ذیقعدہ ۶ھ ——— معاہدہ حدیبیہ

مئی ۶۲۸ء ——— یکم محرم ۷ھ ——— آپ کی طرف سے سلاطین و امراء عالم کی طرف تبلیغی دعوت نامے۔

مئی ۶۲۸ء ——— یکم محرم ۷ھ ——— آپ کا نکاح حضرت صفیہ سے

مئی ۶۲۸ء ——— یکم محرم ۷ھ ——— آپ نے فریضہ عمرہ ادا فرمایا۔ عمرہ قضاء

مئی ۶۲۸ء ——— یکم محرم ۷ھ ——— اصحمہ نجاشی کا قبول اسلام

اگست ۶۲۸ء ــــ جمادی الاولیٰ ۷ھ ــــ غزوہ خیبر

اگست ۶۲۸ء ــــ جمادی الاولیٰ ۷ھ ــــ آپ کا نکاح حضرت ام حبیبہ سے

ستمبر ۶۲۸ء ــــ جمادی الثانیہ ۷ھ ــــ غزوہ وادی القریٰ

سردی و بارش کے موسم میں فوجی دستوں کی روانگی

فروری ۶۲۹ء ــــ ذیقعدہ ۷ھ ــــ عمرہ قضاء

فروری ۶۲۹ء ــــ ذیقعدہ ۷ھ ــــ آپ کا نکاح حضرت میمونہ سے

نکاح و طلاق کے تفصیلی قوانین کا نفاذ

اپریل ۶۲۹ء ــــ ذی الحجہ ۷ھ ــــ سریہ اخرم پچاس مجاہدین کا دستہ بنو سلیم کے خلاف

جون ۶۲۹ء ــــ صفر ۸ھ ــــ سریہ غالب بن غالب بن عبداللہ لیثی

جولائی ۶۲۹ء ــــ ربیع الاول ۸ھ ــــ سریہ حضرت شجاع بن وہب اسلامی

سریہ کعب بن عمیر غفاری

اگست ۶۲۹ء ــــ ربیع الثانی ۸ھ ــــ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید کا قبول اسلام۔

ستمبر ۶۲۹ء ــــ جمادی الاول ۸ھ ــــ سریہ موتہ روم کے خلاف

ستمبر ۶۲۹ء ــــ جمادی الاولیٰ ۸ھ ــــ آپ کا نکاح حضرت ماریہ قبطیہ سے

اکتوبر ۶۲۹ء ــــ جمادی الثانی ۸ھ ــــ سریہ ذات السلاسل

نومبر ۶۲۹ء ــــ رجب ۸ھ ــــ سریہ ابوعبیدہ بن الجراح

نومبر ۶۲۹ء ــــ رجب ۸ھ ــــ مشرکین مکہ کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی

جنوری ۶۳۰ء ــــ رمضان ۸ھ ــــ فتح مکہ

جنوری ۶۳۰ء ــــ ۲۵ رمضان ۸ھ ــــ عزیٰ پر حضرت خالد بن ولید کی فوج کشی

جنوری ۶۳۰ء ــــ ۲۵ رمضان ۸ھ ــــ سعد بن زید اشہلی کی منات پر فوج کشی

جنوری ۶۳۰ء ــــ ۲۵ رمضان ۸ھ ــــ حضرت عمرو بن عاصی کی سواع کی طرف فوج کشی

جنوری ۶۳۰ء ــــ شوال ۸ھ ــــ حضرت خالد بن ولید کی جذیمہ پر فوج کشی

یکم فروری ۶۳۰ء ــــ ۱۰ شوال ۸ھ ــــ غزوہ حنین

یکم فروری ۶۳۰ء ــــ ۱۰ شوال ۸ھ ــــ سریہ اوطاس (ہوازن)

یکم فروری ۶۳۰ء ــــ ۱۰ شوال ۸ھ ــــ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کی ذوالکفین کی طرف فوج کشی

یکم فروری ۶۳۰ء ــــ ۱۰ شوال ۸ھ ــــ غزوہ طائف

یکم فروری ۶۳۰ء ــــ ۱۰ شوال ۸ھ ــــ حضرت قیس بن سعد کی صداء پر فوج کشی

مارچ ۶۳۰ء ــــ ذیقعدہ ۸ھ ــــ جعرانہ میں تقسیم غنائم کے بعد عمرہ جعرانہ

مارچ ۶۳۰ء ــــ ذیقعدہ ۸ھ ــــ سود کے قطعی انسداد کا قانون

عیسوی	ہجری	واقعہ
مارچ ۶۳۰ء	ذیقعدہ ۸ھ	حضرت زینب زوجہ حضور کا انتقال
مارچ ۶۳۰ء	ذیقعدہ ۸ھ	حضرت ابراہیم فرزند حضور کا انتقال
اپریل ۶۳۰ء	محرم ۹ھ	تنظیم زکوٰۃ، محصلین صدقہ کا اولین تقرر
اپریل ۶۳۰ء	محرم ۹ھ	عیینہ بن حصن فزاری کی تمیم کی طرف فوج کشی
اپریل ۶۳۰ء	محرم ۹ھ	ولید بن عقبہ کی بنی مصطلق پر فوج کشی
مئی ۶۳۰ء	صفر ۹ھ	حضرت قطبہ بن عامر کی خثعم پر فوج کشی
جون ۶۳۰ء	ربیع الاول ۹ھ	حضرت ضحاک بن سفیان کی بنو کلاب پر یلغار
جولائی ۶۳۰ء	ربیع الثانی ۹ھ	علقمہ بن مجزز مدلجی کی حبشہ پر فوج کشی
جولائی ۶۳۰ء	ربیع الثانی ۹ھ	حضرت علی کی فلس پر فوج کشی
ستمبر ۶۳۰ء	رجب ۹ھ	غزوہ تبوک یا غزوہ عسرت
ستمبر ۶۳۰ء	رجب ۹ھ	حضرت خالد بن ولید کو اکیدر کی طرف بھیجنا جزیہ کا حکم بزمانہ تبوک مقام قبا کی مسجد ضرار کا انہدام تبوک سے واپسی پر
جنوری ۶۳۱ء	ذیقعدہ ۹ھ	سرخیل منافقین عبداللہ بن ابی کی موت اور ایک ہزار منافقین کا قبول اسلام۔
مارچ ۶۳۱ء	ذی الحجہ ۹ھ	فرضیت حج اور حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج مقرر کیا گیا۔
جون ۶۳۱ء	ربیع الاول ۱۰ھ	حضرت خالد بن ولید کی بنو حارث بن کعب پر بمقام نجران فوج کشی
جون ۶۳۱ء	ربیع الاول ۱۰ھ	وفات حضرت ابراہیم بن آنحضرت صرف سولہ مہینے کی عمر میں۔
جون ۶۳۱ء	ربیع الثانی ۱۰ھ	اعلان برات بذریعہ حضرت علی
دسمبر ۶۳۱ء	رمضان ۱۰ھ	حضرت علی کی یمن کو روانگی
دسمبر ۶۳۱ء	رمضان ۱۰ھ	آپ کا آخری رمضان میں ۲۰ روزہ اعتکاف
دسمبر ۶۳۱ء	رمضان ۱۰ھ	آپ سے مسلمہ کذاب کی مراسلت
۵ مارچ ۶۳۲ء	۵ ذی الحجہ ۱۰ھ	طویٰ سے مکہ کو روانگی نماز صبح کے بعد
۵ مارچ ۶۳۲ء	۵ ذی الحجہ ۱۰ھ	مسجد حرام میں داخلہ بوقت ضحیٰ
۸ مارچ ۶۳۲ء	۸ ذی الحجہ ۱۰ھ	مکہ سے باہر قیام
۸ مارچ ۶۳۲ء	۸ ذی الحجہ ۱۰ھ	منیٰ کی روانگی بروز جمعرات بوقت ضحیٰ
۹ مارچ ۶۳۲ء	۹ ذی الحجہ ۱۰ھ	منیٰ سے عرفہ کو روانگی بروز جمعہ طلوع آفتاب کے بعد

۹ مارچ ۶۳۲ء ——— ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— خطبہ حج (عرفہ) بعد ظہر و عصر
اسی میں قرآن حکیم کی آخری آیتیں نازل ہوئیں

۹ مارچ ۶۳۲ء ——— ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— عرفہ سے مزدلفہ کی جانب روانگی بعد غروب آفتاب۔

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— مزدلفہ سے مشعر حرام بروز ہفتہ نماز صبح کے بعد

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— مشعر حرام سے منیٰ کو روانگی قبل طلوع آفتاب

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— رمی جمار بعد طلوع آفتاب تا بہ ضحیٰ

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— خطبہ منیٰ (یوم النحر) بوقت ضحیٰ

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— قربانی بعد خطبہ

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— منیٰ سے مکہ کو روانگی

۱۰ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— مکہ سے منیٰ کو واپسی آخر یوم

مارچ ۶۳۲ء ——— ذی الحجہ ۱۰ھ ——— حج وداع

۲۳ فروری ۶۳۲ء　　۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ　　مدینہ سے روانگی بروز جمعہ مابین ظہر و عصر
ذوالحلیفہ میں قیام ہفتہ و اتوار کی درمیانی رات
احرام بندی بروز اتوار بوقت ظہر

۴ مارچ ۶۳۲ء ——— ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— ذی طویٰ میں قیام اتوار کی رات

۱۱ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۱ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— دوسرا خطبہ منیٰ

۱۳ مارچ ۶۳۲ء ——— ۱۳ ذی الحجہ ۱۰ھ ——— منیٰ سے محصب یا بطح کو روانگی بروز منگل

اپریل ۶۳۲ء ——— محرم ۱۱ھ ——— وفد نخع کی حاضری

مئی ۶۳۲ء ——— ۲۶ صفر ۱۱ھ ——— لشکر اسامہ کی ترسیل کا حکم

مئی ۶۳۲ء ——— ۲۹ صفر ۱۱ھ ——— آپ کے مرض وفات کا آغاز
اشتداد مرض کا زمانہ (حضرت عائشہ کے حجرے میں وفات تک اقامت۔

۲ جون ۶۳۲ء ——— ۷ ربیع الاول ۱۱ھ ——— مسجد نبوی میں آخری نماز باجماعت و خطبہ

۷ جون ۶۳۲ء ——— ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ——— وصال بروز سوموار بوقت چاشت

۷، ۸ جون ۶۳۲ء ——— ۱۳، ۱۴ ربیع الاول ۱۱ھ ——— تدفین درمیانی شب، ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرے

پیغمبر اعظم کے نور کی رہگذر

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام و امہات عظام بے حیائی و بدکاری سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خرجت من نکاح لا سفاح ۔ میرا ظہور نکاح ہی کے ذریعہ ہوا۔ زنا سے نہیں۔

اسی طرح سرکار کے آباء و امہات کفر و شرک کی گندگیوں سے بھی ملوث نہ ہوئے۔ یہی صحیح و مختار ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ وغیرہ نے اس پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ابونعیم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لم ازل انتقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات

میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک شکموں میں منتقل ہوتا رہتا ہوں۔

ارشاد ربانی ہے: انما المشرکون نجس مشرکین ناپاک ہیں۔

نجاست و طہارت دو متضاد چیزیں ہیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں جب کہ حسب فرمان حدیث آباء کرام اور امہات عظام طاہر تھے تو لازم کہ کفر و شرک کی گندگی سے آلودہ نہیں ہوئے۔

۲۔ بخاری میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

بعثت من خير قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیه۔

میں بنی آدم کے بہترین قرون سے مبعوث ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس قرن میں تشریف لایا جس میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے اجداد میں ہر جد اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگوں میں سے ہوا کرتا تھا۔

دوسری حدیث ہے۔

لم يزل على وجه الدهر سبعة من المسلمين فصاعدا فلولا ذلك هلكت الارض ومن عليها

زمین پر ہمیشہ سات یا سات سے زیادہ مسلمان رہے ورنہ زمین اور زمین والے نہ بچتے۔

اس حدیث کو عبد الرزاق اور ابن منذر نے برشرط بخاری و مسلم حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ اس کے ہم معنیٰ امام احمد علی شرط الشیخین ابن عباس سے یوں راوی ہیں۔

وما خلقت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض۔

حضرت نوح کے بعد سے زمین سات (نفوس قدسیہ) سے خالی نہیں ہوئی جن کے صدقہ میں اہل الارض محفوظ رہتے ہیں۔

ان ہر دو حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے عہد بعثت تک کم از کم زمین پر سات مسلمان ضرور رہے کافر و مسلم میں ظاہر ہے کہ فضیلت مسلم کو کو حاصل ہے تو جب کہ حضور کے آباء و اجداد اپنے زمانہ کے بہترین گروہ میں سے ہوا کرتے تھے۔ تو لازم ہے کہ وہ مسلمان رہے ہوں ورنہ بہترین گروہ میں نہ ہوں گے۔

۳۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم سے حضرت نوح تک دس پشتیں ہیں اور سب شریعت حقہ کے پابند تھے۔ اسے ابن جریر ابن ابی حاتم ابن منذر بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن سعد نے روایت میں یہ ہے کہ حضرت نوح تک تمام آباء کرام اسلام پر تھے۔ رہ گیا حضرت نوح کے بعد تو حضرت نوح کے صاحبزادے حضرت سام کا مومن ہونا بالاجماع ہے۔ اور بعض

آثار میں ان کا نبی ہونا مصرح ہے۔

حضرت سام کے صاحبزادے ارفخشذ کے بارے میں حضرت ابن عباس نے مومن ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے علاوہ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت نوح سے لے کر نمرود کے قبل تک اہل بابل مسلمان تھے۔ نمرود نے انہیں گمراہ کر کے بتوں کی پرستش میں پھنسایا۔ نمرود ہی کا معاصر مشہور بت تراش آزر ہوا ہے جس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا باپ تھا۔ جیسا کہ خود کلام پاک میں اسے حضرت ابراہیم کا اَبْ کہا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ لوگوں نے باپ کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کا باپ نہیں چچا تھا۔ اور اہل عرب چچا کو بھی ابٌ کہتے ہیں۔ یہ محاورہ خود کلام پاک میں بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَمْ کُنْتُمْ شُہَدَاءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰہَکَ وَاِلٰہَ اٰبَاءِکَ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ۔

جب یعقوب قریب مرگ ہوئے تو کیا تم لوگ وہاں موجود تھے جب کہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا کہ میرے بعد کسے پوجو گے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے آباء ابراہیم واسماعیل واسحاق کے معبود کو۔

حضرت اسمٰعیل بنی اسرائیل کے چچا ہیں۔ پھر بھی آباء میں انہیں داخل کیا گیا۔ اسی طرح آزر (بھی) جو حقیقت میں حضرت ابراہیم کا چچا ہے۔ «اَبْ» کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

زرقانی میں ہے کہ شہاب الہیتمی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اہل کتاب اور تاریخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں، چچا تھا۔ اسی میں الدرج المنیفہ، سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس مجاہد ابن جریر نے، اور سدی نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا[1] باپ نہیں تھا۔ ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ ابن منذر کی تاریخ میں ایک اثر میں اس کی تصریح کی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو حضرت ابراہیم تک شجرۂ پاک میں ایک یہی کافر ہوتا۔

اب جب کہ ائمہ مفسرین وتاریخ کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں چچا تھا۔ تو واضح ہو گیا کہ شجرۂ پاک حضرت ابراہیم تک کفر سے محفوظ ہے۔ رہ گیا حضرت ابراہیم کے بعد تو نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے، کہ وادی غیر ذی زرع میں بسنے والی ذریت ابراہیم میں ایک گروہ ہمیشہ توحید پر قائم رہا۔ ارشاد ہے۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ اِنَّنِیْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَہْدِیْنِ، وَجَعَلَہَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ۔

یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے چچا اور قوم سے کہا، جنہیں تم پوجتے ہو۔ ان سے میں بیزار ہوں سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا وہ یقیناً مجھے راستہ پر قائم رکھے گا۔ اللہ نے اسے ابراہیم کے بعد ان کی نسل میں برابر پڑھنے والا کلمہ کر دیا۔

سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

انہا لا الٰہ الا اللہ باقیۃ فی عقب ابراہیم۔

حضرت ابراہیم کے بعد باقی رہنے والا کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

حضرت قتادہ سے منقول ہے

شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ والتوحید لا یزال فی ذریتہ من یقومہا من بعدہ۔

لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اور توحید کا قائل حضرت ابراہیم کی ذریت میں ان کے بعد ہمیشہ رہے گا۔

دوسری آیت خاص مکہ کے بارے میں یوں ہے۔

اذ قال ابراہیم رب اجعل ہذا البلد امناً۔ واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام۔

یاد کرو جب کہ ابراہیم نے کہا تھا: اے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا۔ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔

اسی سلسلۂ دعا میں آگے چل کر ہے:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ۔

اے رب میں نے اپنی کچھ ذریت۔ ناقابل کاشت میدان میں تیرے

---

[1] ہندوستان میں بھی باپ کے بڑے بھائی (تایا) کو باپ کہتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت یعقوب کے تایا تھے۔ ۱۲ (ادارہ)

حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے رب اس لئے کہ یہ لوگ نماز ادا کریں۔

اس کے آگے ہے:

رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی۔ اے رب مجھے اور میری ذریت کے کچھ لوگوں کو پابند نماز رکھنا۔

ابن منذر نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے

فلن تزال من ذریۃ ابراھیم ناس علی الفطرۃ لیعبدن اللہ

پس اولاد ابراہیم سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر قائم رہ کر اللہ کی پرستش کرتے رہیں۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے اولاد ابراہیم میں کلمہ توحید باقی رکھا۔ اس میں احتمال تھا کہ ہو سکتا ہے کہ خصوصیت اولاد اسحٰق میں چلی گئی ہو لیکن بعد والی آیات نے بالکل واضح کر دیا کہ نماز کی پابندی اور بتوں سے اجتناب کی دعا رخاص باشندگان مکہ کے لئے ہے۔

اگر حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم نبی کی یہ دعائیں مقبول ہوئیں تو ہر شخص کو یہ ماننا پڑے گا کہ بنی اسمٰعیل میں کچھ افراد ایسے ضرور ہوئے جو ملت حنفیہ کے پابند رہے۔ اور جن کا دامن شرک کی آلودگی سے بچا رہا ظاہر ہے کہ خانوادہ اسمٰعیل میں بانی اسلام کے آباء واجداد سے زیادہ کوئی دوسرا متبع ابراہیم نہیں ہوا۔

اس قیاس سے قطع نظر کرتے ہوئے مؤرخین و محدثین کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی نہیں بلکہ تمام عرب عہد ابراہیم سے ملت ابراہیم کے پابند رہے۔ اور ان میں سے کسی ایک نے بھی کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی نے بت پرستی پھیلائی۔ عمرو بن لحی کے معاصر اجداد کرام میں سے کنانہ تھے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم سے کنانہ تک تمام آباء کرام مسلمان تھے۔ رہ گیا کنانہ کے بعد تو ان میں سے مرہ تک کا اسلام تواتر سے ثابت ہے۔ مرہ کے بعد عبدالمطلب تک چار پشتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اسلام کی تصریح ہے نہ کفر کی۔ دلیل اول و دوم کے کلیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مسلمان ہی ہیں اسی کلیہ سے حضرت عبدالمطلب و حضرت عبداللہ کا مسلمان ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ان دونوں حضرات کے بارے میں بہت سے علماء سیر نے تصریح کی ہے کہ یہ موحد تھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وھو الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔

اللہ وہی ہے جو آپ کی شب زندہ داری کو اور ساجدین میں منتقل ہونے کو دیکھتا ہے۔ اس آیت میں تصریح ہے کہ نور محمدی ساجدین سے ساجدین میں منتقل یہ ساجدین مومنین کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔

خاتم المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

من نبی الی نبی ومن نبی الی نبی۔ ایک نبی سے دوسرے نبی تک اور ایک نبی سے دوسرے نبی تک۔

چوں کہ اجداد کرام میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد جو یقینی طور پر معلوم ہے وہ صرف چھ ہے۔ حضرت اسمٰعیل، حضرت ابراہیم حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت شیث، حضرت آدم۔ اسلئے اسکی توجیہ میں علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں

"اس آیت کے لفظ ساجدین کو انبیاء سے اعم معنیٰ پر محمول کرنا زیادہ واضح ہے۔ یعنی وہ پابند صلوٰۃ جو اولاد ابراہیم میں ہمیشہ رہے۔"

اس استدلال پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اس آیت میں تقلب سے رات کو گشت کرنا۔ اور ساجدین سے تہجد گذار حضرات مراد ہیں۔ معنیٰ یہ ہوئے کہ اللہ وہی ہے جو آپ کے قیام کو بھی دیکھتا ہے۔ اور رات کو اٹھ کر صحابۂ کرام کے احوال کے تفحص کرنے کو بھی دیکھتا ہے۔ لہٰذا آباء کرام کے مسلمان ہونے پر یہ آیت کی دلالت نہ رہی۔

اس کے جواب میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

"یہ تنقید تار عنکبوت سے زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ کیونکہ بیضاوی کی تفسیر میں اپنی ذکر کردہ تفسیر کے علاوہ دوسری تفسیر کی نفی نہیں۔ اور نہ اس پر اجماع منقول ہے۔ بلکہ ایک اور تفسیر منقول ہے کہ ساجدین سے مراد مصلی ہیں۔ اور امام رازی نے اپنی ذکر کردہ تفسیم میں علاوہ دوسری تفسیروں کی نفی نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے کہا ہے

کہ انتہائی بات یہ ہے کہ آیت کو چند اور وجہوں پر حمل کیا جا سکتا ہے جن میں منافات نہیں۔ تو جس تفسیر کا انہوں نے خود اعتراف کیا اور اسمیں اور دوسری تفسیر میں تطبیق کی جانب اشارہ بھی کیا۔ اسے لے کر اعتراض کرنا قابل ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں امام رازی نے جو تفسیر کی ہے وہ زیادہ لائق قبول ہے۔

اس کا حاصل یہ کہ آیت میں دو احتمالات ہیں۔ ایک تو تقلب سے مراد نور کا پشت در پشت منتقل ہونا۔ اور ساجدین سے آباء کرام مراد ہیں۔ جو مومن اور موحد تھے۔

دوسرے یہ کہ تقلب سے رات کو حضور کا گشت کرنا اور ساجدین سے تہجد گزار مراد ہیں اور کسی آیت میں چند احتمالات پیدا ہو جانے سے کسی ایک احتمال کے لائق حجت ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیوں کہ علماء تفسیر فرماتے ہیں:۔

القران ذو وجوہ وھو حجۃ لکل وجہہ مالم یتنافٰ

قرآن مختلف معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے اور وہ ہر معنیٰ کے اعتبار سے حجت ہے جب تک آپس میں منافات نہ ہو۔

یہاں یہ دونوں احتمالات آپس میں منافی نہیں ہیں۔ لہذا اپنے مطلوب کے اثبات کے لئے حجت ہیں۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک قراءت (اَنفُسِکم کے بجائے انفَسِکم) مروی ہے جس کا ترجمہ ہوا بیشک تمہارے پاس تمہارے نفیس ترین میں ایک رسول آیا۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کا شجرۂ مبارک اہلِ ع... تمام شجروں میں نفیس ترین ہے اور یہ اسی وقت درست ہوگا جب کہ آں حضور کے اہلِ شجرہ مومن موحد ہوں جیسا گزر چکا۔

۶۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اللہ عزوجل نے اولاد اسماعیل میں کنانہ کو چنا اور کنانہ میں قریش کو۔ اور قریش میں بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے انتخاب کیا۔

اولاد اسمٰعیل میں ایک گروہ کا ہمیشہ مسلمان رہنا ثابت ہو چکا۔ پس اگر اولاد اسمٰعیل میں کنانہ کے بجائے کوئی اور، کنانہ میں قریش کے بجائے کوئی اور، قریش میں بنی ہاشم کے بجائے کوئی اور مسلمان ہوتا تو یہ اصطفا بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بنی اسمٰعیل میں کنانہ اور کنانہ میں قریش اور قریش میں بنی ہاشم ہی حضرت ابراہیم کی توحید و تعلیم کے حقیقی وارث تھے۔ اور یہ لوگ اسی متاع گراں بہا کی بدولت تمام عالم میں منتخب ہوئے۔

جبکہ روایت درایت، عقل و نقل اس کی مؤید ہیں کہ آباء کرام موحد و مومن تھے تو اگرچہ بعض علماء نے اس باب میں اسکا خلاف کیا ہے۔ پھر بھی ہم اسی بات پر یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حق یہی ہے۔ کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بتصریح احادیث صحیحہ و اجماع علماء سیر و حدیث نجاست و زنا و سفاح سے منزہ رہا۔ اسی طرح کفر و شرک سے بھی مشکوٰۃ نبوت ہمیشہ بے داغ رہا۔

تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آباء کرام میں چند نفوس وقت کی رو میں بہ کر آلودۂ کفر ہو گئے۔ تو بھی ادب و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم کف لسان کریں۔ کیوں کہ اولاد کے سامنے والدین کے عیوب و گناہ بیان کرنا باعث ایذاء ضرور ہوتا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے طعن سے شدت کے ساتھ منع فرمایا چنانچہ زرقانی نے ابن منذر سے روایت کیا ہے کہ سبیعہ بنت ابی لہب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکایت کی کہ لوگ مجھے "بنت حمالۃ الحطب" کہتے ہیں۔ حضور کو جلال آگیا، فرمایا:

مابال اقوام یوذوننی فی قرابتی من اذانی فقد اذی اللہ۔

کیا بات ہے کہ کچھ لوگ میرے رشتے کے معاملے میں مجھے ایذاء دیتے ہیں۔ جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی۔

اس مقصد شریف کی ابحاث جلیلہ علامہ سیوطی کے رسائل ستہ اور اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ الشمول الاسلام لاباء الرسول الکرام میں مطالعہ کریں۔

ان عاشقان رسالت اور ذمہ دار اہل تحقیق نے ارباب فکر و نظر اور اصحاب عشق و عرفان کیلئے اس موضوع پر اپنی تصنیفات میں بڑے آبدار موتی رکھ دیئے ہیں۔ اور ثابت فرمایا ہے کہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء، واجداد، اور امہات وجدات دولت توحید وایمان سے سرفراز تھے۔

پیکر نور کی تخلیق

قاضی محمد ایوب

ماہ ربیع الاول شریف وہ نورانی مہینہ ہے جس میں دائرہ کائنات کے مرکز، صحیفہ ہستی کے حرف اولین، گلزار تخلیق کے سب سے حسین ترین اور عنبر آگیں پھول فلک امکاں کے نیر اعظم اور خدا کے سب سے پہلے اور آخری نبی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔

عالم بشریت میں جلوہ گر ہونے سے پہلے ذات پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدم سے وجود میں جلوہ گر ہونا خلقت محمدی ہے۔ اور اس دار فانی میں حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا ولادت محمدی ہے۔ اور چالیس سال کی عمر شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وحی نبوت سے مشرف ہو کر لوگوں کو دین حق کی طرف بلانے پر مامور ہونا بعثت محمدی ہے۔

میں اپنے مضمون میں صرف خلقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرآن وحدیث اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں پیش کروں گا۔

خلقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اجسام سے

قبل عالم امر میں ذوات انبیاء علیہم السلام کا وجود ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ عالم ارواح میں موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال ءاقررتم واخذتم علی ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین فمن تولّی بعد ذالک فاولٓئک ھم الفاسقون ۵

ترجمہ:- اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کہ تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

(ضیاء القرآن)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

واذ اخذ ربک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا (سورۃ الاعراف)

ترجمہ:- اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے کیوں نہیں (بے شک تو ہمارا رب ہے) ہم اقرار کرتے ہیں۔

(ضیاء القرآن)

تمام نفوس بنی آدم سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس قدسی نے بلیٰ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار فرمایا اور باقی تمام نفوس بنی آدم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار پر اقرار کیا۔ جیسا کہ مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں شیخ امام المہدی الفاسی قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں۔

اس واقعہ کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ذات پاک مصطفوی علیہ التحیہ والثناء مخلوق ہو کر عدم سے وجود میں جلوہ گر ہو چکی تھی۔ رہا یہ امر کہ خلقت محمدی تمام کائنات اور خصوصاً جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کی خلقت سے پہلے ہے تو اس مضمون کی طرف قرآن کریم کی بعض آیات میں واضح اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور احادیث صحیحہ میں تو صراحۃً وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ مخلوق ہوئی۔

ارشاد ربانی ہے۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ اس آیت میں العالمین اسی طرح اپنے عموم پر دلالت کرتی ہے جس طرح الحمد للہ رب العالمین میں ہے جب یہ بات واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا استثناء تمام عالمین (جہانوں) کے لئے رحمت ہیں اور عالم ماسوی اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے) کو کہتے ہیں۔ یہ بات بخوبی روشن ہو گئی کہ حضور ہر فرد عالم کے لئے رحمت ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مرتبہ ایجاد میں تمام عالم کا موجود ہونا بواسطہ وجود سید الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ایجاد ہیں۔ اور کل موجودات نعمت وجود میں حضور کے دامن رحمت سے وابستہ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو ذات کسی کے وجود کا سبب اور واسطہ ہو تو وہ سبب اور واسطہ ہمیشہ پہلے ہوا کرتا ہے لہٰذا تمام عالمین سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق ہونا اور اصل کائنات ہونا ثابت ہو گیا۔

خلقت محمدی کا سب سے اول ہونا احادیث کی روشنی میں۔

بشریت کی ابتدا سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی مگر سرور کائنات فخر موجودات، خلاصہ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے ہوئی تھی جیسا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس جلیل المرتبت مفسرین کرام اور محدثین عظام نے اپنی اپنی مستند تفاسیر و کتب میں درج فرمایا ہے۔

جامع ترمذی شریف کی روایت ہے ایک روز صحابہ کرام نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "متی وجبت لك النبوة" کہ حضور آپ کو خلعت نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا "وآدم بین الروح والجسد" مجھے اس وقت شرف نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیانی مرحلے میں تھے۔ (رواہ الترمذی صححہ وقال انہ حسن صحیح غریب)

نبوت صفت ہے اور نبی موصوف۔ اس لحاظ سے موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اب خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جو موصوف اپنی صفت نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت تھی۔

ابن تیمیہ وغیرہ نے یہ کہا کہ ہے کہ

کنت نبیا و آدم بین الماء والطین

او کنت نبیا ولا آدم ولا ماء ولا طین لا اصل لہ

ان دو حدیثوں کی کوئی اصل نہیں۔

اس کے جواب میں علامہ خفاجی ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں اس لئے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیق آدم سے پہلے علم الٰہی میں نبی تھا۔ کیونکہ اس میں پھر حضور کی کوئی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے اپنے حبیب مکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا اور خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور ملاء اعلیٰ کو اس حقیقت پر آگاہ کردیا ایک روایت میں ہے "ویسبح ذالک النور وتسبیح الملائکۃ بتسبیحہ" کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا اور سارے فرشتے حضور کی تسبیح سن کر اللہ کی پاکی بیان کرتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گر نہ خورشید جمال یار گشت راہ نمون
از شب تاریک غفلت کس نہ بردے راہ برون

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب التحیات سے پوچھا یا رسول اللہ فداک ابی یابی انت وامی اخبرنی عن اول شئ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال صلی اللہ علیہ وسلم یاجابر ان اللہ تعالےٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔

(زرقانی شرح مواہب لدنیہ صفحہ نمبر ۴۶)

ترجمہ:۔ حضرت جابر نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کونسی چیز پیدا کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

اس حدیث پاک کو امام اجل سیدنا امام مالک کے شاگرد اور امام اجل احمد بن حنبل کے استاد اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ھمام نے اپنی مصنف میں روایت کی ہے۔ اسی حدیث کو اجلہ ائمہ دین مثلاً امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ شیخ امام محمد المہدی الفاسی نے مطالع المسرات ص ۲۲۱ پر تحریر کیا ہے۔

والخطاب لجابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اللہ خلق اول الاشیاء نور نبیک من نورہ (اخرجہ عبدالرزاق) وروی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اول ماخلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شئ۔

اس طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوہ ص ۲۰۶ جلد نمبر ۱ میں اس حدیث سے استنا اور اعتماد فرمایا ہے۔ بہر حال "تلقی امت بالقبول" کی وجہ سے یہ حدیث بلاشبہ حسن صالح مقبول اور معتمد ہے۔

علامہ محقق عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ" میں فرماتے ہیں۔

قد خلق کل نور من نورہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ورد بہ الحدیث الصحیح۔

بے شک ہر چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی ہے جیسا کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہے۔

ذکرہ فی المبحث الثانی بعد النوع الستین من آفات اللسان فی مسئلۃ ذم الطعام۔

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے۔

قال الاشعری انہ تعالےٰ نور لیس کالانوار والروح النبویۃ القدسیۃ لمعۃ من نورہ والملائکۃ شرر وتلک الانوار وقال صلی اللہ علیہ وسلم اول ماخلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شئ وغیرہ مما فی معناہ۔

ترجمہ:۔ امام اجل امام اہل سنت سیدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نور ہے دوسرے نوروں کی مانند نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اس نور کی تابش ہے اور ملائکہ ان نوروں کے شرارے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کے سوا اور بھی احادیث ہیں جو اسی مضمون میں وارد ہیں۔

ابن قطان نے اپنی کتاب الاحکام میں حضرت زین العابدین سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت سیدنا امام حسین سے انہوں نے ان کے جد امجد سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔

(زرقانی علی المواہب الدنیہ ص ۴۹)

قال کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام۔

ترجمہ:۔ میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی آفرینش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا۔

اس حدیث کے آخری تین راوی ائمہ اہل بیت سے ہیں ان کا علم وفہم اور تقوی کسی کی توثیق کا محتاج نہیں البتہ ابن قطان کے متعلق علماء جرح وتعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

الحافظ الناقد ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک حمیری کان من ابصر الناس بصناعۃ الحدیث واحفظہم لاسماء رجالہ واشدّہم عنایۃ فی الروایۃ معروف بالحفظ والاتقان۔

(زرقانی المواہب لدنیہ جلد اول ص ۴۸)

ترجمہ:۔ یہ حافظ اور نقاد حدیث تھے ان کا نام ابو الحسن علی بن محمد ہے۔ فن حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھی اور اسماء رجال کے حافظ تھے روایت میں انتہاء درجہ کی احتیاط برتا کرتے۔ وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور ومعروف تھے۔

ان صحیح احادیث (جن کی تصحیح وتوثیق دیوبند کے مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی ذات والاصفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے آدم وابراہیم بلکہ عرش و کرسی سے بھی بہت پہلے ...... اور حضور کی دیگر صفات کی طرح نبوت وبشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں ہیں)۔

اہل معرفت کی اصطلاح میں، اسی نور کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے اور حقیقت محمدیہ حقیقت الحقائق ہے فہذا الاعتبار سمی المصطفٰے بنور الانوار وباب الارواح (زرقانی ص ۴۷)

ترجمہ:۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے۔

آخر میں علماء کرام کے چند اقوال ہدیہ ناظرین کرتا ہوں شاید جلوہ حسن محمدی کی جھلک دیکھ کر کوئی چشم اشکبار مسکرا دے اور کسی کے دل بے قرار کو قرار آ جائے۔

شاہ عبد الرحیم یعنی شاہ ولی اللہ کے والد ماجد اپنی کتاب انفاس رحیمیہ میں فرماتے ہیں۔

از عرش تا بفرش ملائکہ علوی وجنس سفلی ہمہ ناشی از ان حقیقۃ محمدیہ است وقول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نوری خلق اللہ ما خلق اللہ من نوری وقولہ لولاک لما خلقت الافلاک وقولہ لولاک لما اظہرت الربوبیۃ۔

ترجمہ:۔ فرش سے عرش تک اعلیٰ فرشتے اور جنس سفلی سب کی سب حقیقت محمدیہ سے پیدا ہیں حضور کا فرمان ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اگر آپ نہ ہوتے تو رب تعالیٰ اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

دیوبندیوں کے پیشوائے مطلق مولوی رشید احمد گنگوہی اپنی کتاب امداد السلوک کے ص ۸۵ پر لکھتے ہیں۔

"ازیں جا است کہ حق تعالیٰ در شان حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ البتہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور وکتاب مبین ومراد از نور ذات پاک حبیب خدا است ونیز او تعالیٰ فرماید کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ترا شاہد ومبشر ونذیر وداعی الی اللہ وسراج منیر فرستادہ ایم ومنیر روشن کنندہ ونور دہندہ را گویند۔

ترجمہ:۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا کہ تمہارے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آئے نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ نیز حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گواہ بشیر ونذیر اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور چمکانے والا سورج بنا کر بھیجا منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔

اس عبارت میں مولانا رشید احمد نے تین باتیں فرمائی ہیں۔

۱۔ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ آیت کریمہ "قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین" میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔

۳۔ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نور ہی نہیں بلکہ منیر (نور گر بھی) ہیں۔

علامہ ابوالفضل جمال الدین ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں النور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الظاہر فی نفسہ المظہر لغیرہ یسمیٰ نورا۔

(لسان العرب) تو حضور وہ نور ہیں، جو ایسے ظاہر ہیں کہ بحر و بر، خشک و تر، شجر و حجر آسمان کا ہر تارا، زمین کا ہر ذرہ انہیں پہچانتا ہے انسان بھی انہیں پہچانتے ہیں اور جانور بھی۔ کنکریوں اور پتھروں نے بھی ان کی رسالت کی گواہی دی غرضیکہ ایسے ظاہر ہیں کہ کسی سے مخفی نہیں اور دوسروں کو ایسا چمکایا کہ جس کی ان سے نسبت ہو گئی وہ چمک اٹھا۔

دیوبندیوں کے پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی، ہی اپنی کتاب امداد السلوک ص ۸۶ پر لکھتے ہیں۔

"بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ داشتند و ظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند"۔

ترجمہ:- یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

سب سے آخر میں آپ کے سامنے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں جن کا علم و تقویٰ اہل شریعت و اہل طریقت دونوں کے نزدیک مسلم ہے۔ اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔

آپ لکھتے ہیں۔

باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت نہ دارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام خلقت من نور اللہ (مکتوب امام ربانی مکتوب نمبر ۱۰۰ حصہ نہم دفتر سوم ص ۹۱)

ترجمہ:- جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی! تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلقت من نور اللہ۔

ذرا آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

"بکشف صریح معلوم گشتہ کہ خلقت آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات ناشی ازیں امکان است کہ بصفات اضافیہ تعلق دارد نہ امکانے کہ در سائر ممکنات عالم کائن است و ہر چند بدقت نظر صحیفہ ممکنات عالم مطالعہ نمودہ می آیاد وجود آں سرور در آنجا مشہود نمی گردد بلکہ منشاء خلقت و امکان او علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام وجود صفات اضافیہ و امکان شان محسوس می گردد۔ و چوں وجود آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوق ایں عالم باشد ناچار اور اسایہ نبود و نیز در عالم شہادت سایۂ شخص از شخص لطیف تر است و چوں لطیف تر از وے در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات۔

(مکتوب امام ربانی حصہ نہم دفتر سوم ص ۹۲،۹۱)

ترجمہ:- کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پہلے ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم سے ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت کا وجود مشہود نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشاء عالم ممکنات میں سے ہے ہی نہیں بلکہ اس عالم سے برتر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اور جب جہاں میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

آخر میں میں حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کچھ وضاحت آپکے سامنے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس حدیث میں من نورہ کی اضافت بیانیہ ہے اس سے ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور (معاذ اللہ) اللہ کے نور کا کوئی حصہ یا ٹکڑا ہے۔ یا ذات الٰہی ذات رسالت کے لئے مادہ ہے۔ اگر کسی کا عقیدہ ہو تو یہ خالص کفر ہے۔ اس کو اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اس تخلیق کے اصل معنیٰ تو اللہ جل جلالہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں کیونکہ کائنات میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا۔

حدیث شریف میں ہے۔

یا ابابکر والذی بعثنی بالحق لم یعلمنی حقیقۃ غیر ربی (مطالع المسرات ص ۱۲۸)

ترجمہ:- اے ابوبکر مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مجھے جیسا میں حقیقت میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔

مگر اس میں فہم ظاہر بیں کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسن الوہیت کا ظہور اول تھی یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ اپنے رب سے فیض لینے والے ہیں اور تمام مخلوقات نے حضور کے واسطے سے فیض ربانی حاصل کیا جیسے آئینہ سورج سے جب روشن ہوتا ہے اور اس ایک آئینہ سے تمام آئینے منور ہو جاتے ہیں نہ پہلے آئینہ نے سورج کے نور کو کم کیا۔ اور نہ دوسرے آئینوں نے پہلے آئینہ کے نور میں کچھ کمی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے بلا واسطہ حضور کو پہنچا۔ اور حضور کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا۔ نیز حدیث جابر میں جو بار بار تقسیم نور کا ذکر آتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ نور محمدی تقسیم ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب نور محمدی کو پیدا فرمایا تو اس میں شعاع در شعاع بڑھتا گیا اور وہی مزید شعاعیں تقسیم ہوتی رہیں اسی مضمون کی طرف علامہ زرقانی نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ تو ہم اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور نہ تو خدا کے نور کا جز ہیں اور نہ ذات الٰہی ذات رسالت کے لئے مادہ ہے بلکہ حضور کا نور مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور خالق ہے اور حدیث جابر میں جس طرح من نورہ میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظ نور سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اسی طرح نور نبیک کا میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظ نور سے ذات پاک محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے اور ذات محمدی کو ہی لفظ نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آخر میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے اس شعر پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں

نہ پیدا اگر ہوتا احمد کا نور
نہ ہوتا دو عالم کا ہرگز ظہور

★★

عبدالشکور شکور کٹک (اڑیسہ)

نعت پیغمبر اعظم ﷺ

ہے جنت سے بڑھ کر دیارِ مدینہ
وہاں کا بڑا لطف دیتا ہے جینا
ہمارا اے ناصح! یہ کامل یقیں ہے
ہے عنبر سے بہتر نبی کا پسینہ
ہمیں خوف طوفان کا کس لئے ہو
کہ آقا ہیں جب ناخدائے سفینہ
بنا مانگے ہے ہر سوالی کو ملتا
درِ مصطفٰے سے کرم کا خزینہ
شہہ دیں کا سنتے ہی نام مقدس
منور ہمارا ہوا قلب و سینہ
شہہ دوجہاں کا یہ سب فیض ہے کہ
ہمیں نعت لکھنے کا آیا قرینہ
مچلتی ہے سرکار کی یاد دل میں
شکور جب بھی آتا ہے حج کا مہینہ

راز کاشمیری

جب نظر گنبد خضریٰ پہ لگی ہوتی ہے
ہر طرف نور کی چادر سی تنی ہوتی ہے
سمٹے ہوتے ہیں ترے در پہ زماں اور مکاں
نبض ہستی تری محفل میں تھمی ہوتی ہے
جب بھی تنہائی میں یاد آئے ہیں آقا مجھ کو
کیف سا روح میں آنکھوں میں نمی ہوتی ہے
دم بخود بیٹھا ہوں دنیا سے کنارا کر کے
منتظر ہوں کہ وہاں کب طلبی ہوتی ہے
وحشت فرقت سے گزرتے ہوئے سوچ رہا
وہ مدینہ ہے جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
بر لب دل سے نکلتی ہے صدا صلی علیٰ
شش جہت گوش بر آواز کھڑی ہوتی ہے
کیا کہوں راز مئے عشق نبی کی لذت
تم سے کم پی کے بھی اک تشنہ لبی ہوتی ہے

آنے والا آگیا

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

چاند چمک رہا ہے ستارے کھل رہے ہیں، نور کی پھوار پڑ رہی ہے ـــــ اچانک غلغلہ بپا ہوا، ایک ندا دینے والا ندا دے رہا تھا ـــــ لوگو! صدیوں سے جس ستارے کا انتظار تھا، دیکھو دیکھو آج وہ طلوع ہوگیا ـــــ آج وہ آنے والا آگیا ـــــ وادی مکہ کے سناٹے میں یہ آواز گونج گئی، سب حیران، یہ ماجرا کیا ہے؟ ـــــ کس کا انتظار تھا، کون آرہا ہے؟ ـــــ ہاں سونے والو! جاگ اٹھو! آنے والا آگیا ـــــ نور کی چادر پھیل گئی، میلوں کی مسافتیں سمٹ گئیں، بصرائے شام کے محلات نظر آنے لگے، (۱) سارے عالم میں چاندنا ہوگیا، ہاں، یہ کون آیا سویرے سویرے؟ ـــــ وہ کیا آئے رحمت کی برکھا آگئی، نور کے بادل چھا گئے، دور دور تک بارش ہو رہی ہے، چاندنی چمک رہی ہے، حدِ نظر تک نور کی چادر تنی ہے، عجب سماں ہے، عجب منظر ہے! ـــــ ایسا منظر تو کبھی نہ دیکھا تھا! ـــــ تاریکیاں چھٹ گئیں، روشنیاں بکھر گئیں، جدھر دیکھو نور ہی نور، جدھر دیکھو بہار ہی بہار ـــــ تازگی انگڑائیاں لے رہی ہے، مسرتیں پھوٹ رہی ہیں، رنگینیاں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں، سارا عالم نہایا ہوا ہے ذرے ذرے پہ مستی چھائی ہوئی ہے ـــــ ہاں یہ اجلا اجلا سا سماں، یہ مہکی مہکی سی فضائیں، یہ مست مست ہوائیں، جھوم جھوم کر جشن بہاراں کے گیت گا رہی ہیں۔

ہاں بہار آئی، بہار آئی ـــــ زندگی میں بہار آئی، دماغوں میں بہار آئی، فکر و شعور میں بہار آئی، عقل و خرد میں بہار آئی ـــــ برسوں کی ہتھکڑیاں کٹ گئیں، صدیوں کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں، گھٹی گھٹی سی فضائیں بدل گئیں، مندی مندی سی آنکھیں روشن ہوگئیں، بجھی بجھی سی طبیعتیں سنبھل گئیں، رندھی رندھی سی آوازیں کھنکھنانے لگیں ـــــ ڈوبتے ہوئے ابھرنے لگے، سہمے ہوئے چہکنے لگے، روتے ہوئے ہنسنے لگے۔ صدیوں کے دبے ہوئے، پسے ہوئے سرفراز ہونے لگے، خون کے پیاسے محبت کرنے لگے، ہارنے والے جیتنے لگے ـــــ بکھرے ہوئے خیال یک جا ہوگئے، منتشر قوتیں سمٹ گئیں، ضعیف و ناتواں ایک قوت بن کر ابھرے اور دنیا نے پہلی مرتبہ جانا کہ انسان احسن تقویم میں بنایا گیا، "اشرف المخلوقات" کے منصب عالی پر فائز کرکے خلافت الٰہیہ سے سرفراز کیا گیا ـــــ زندگی نے ایسا سنگھار کیا کہ سب جھانکنے لگے، سب دیکھنے لگے، سب تکنے لگے، سب بلائیں لینے لگے، سب فدا ہونے لگے، سب آرزوئیں کرنے لگے، سب تمنائیں کرنے لگے ـــــ وہ کیا آئے کائنات کا ذرہ ذرہ دل کش و دل ربا معلوم ہونے لگا۔

ہاں آج ان کی آمد آمد کا دن ہے، آج عید کا دن ہے، آج خوشی کا دن ہے ـــــ ـــــ ایسا حسین انقلاب آیا کہ دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا ـــــ ایسی بہار آئی کہ دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا ـــــ ـــــ ایسی بہار آئی کہ دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی ـــــ ایسا حسین آیا کہ دنیا نے ایسا حسین تو کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہاں سہ

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن
خوبی یار کا جواب کہاں سے؟ (حسرتؔ)

عید کا دن ہے، بچے خوشیاں منا رہے ہیں ـــــ وہ جانِ جاناں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے ـــــ فاروق اعظم حاضر ہوئے ہیں ـــــ بچوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں ـــــ ـــــ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ـــــ مگر دیکھئے دیکھئے وہ جانِ جاں، وہ رؤف و رحیم، رحمۃ للعالمین فرما رہے ـــــ چھوڑ دو چھوڑ دو اے عمر! ان بچوں

کو چھوڑ دو ـــ ہاں! ـــ "ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے۔ آج ہماری عید ہے (۲)"۔ ـــ اور دیکھئے دیکھئے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے حواری التجا کر رہے ہیں اور آپ ہاتھ اٹھائے پروردگار عالم سے دعا مانگ رہے ہیں۔

"اے اللہ! اے پالنہار! آسمان سے ہمارے لئے (پکے پکائے کھانے کے) خوان اتار تاکہ وہ ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لئے، عید ہو جائے (۳)"

جس دن آسمان سے کھانا اترے وہ دن "عید" ہو جائے تو غور فرمائیں کہ جس دن وہ جان جاں تشریف لائے وہ دن "عیدوں کی عید" کیوں نہ ہو! ـــ جس دن رزق اترے وہ دن، عید ہو جائے تو جس دن قاسم رزق اترے وہ دن "عید" کا دن کیوں نہ ہو؟

اللہ کے محبوبوں اور پیاروں کی ولادت کے دن معمولی دن نہیں، رب کریم حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے:۔

اور سلامتی ہے اس دن جس دن پیدا ہو۔ (۴)

اور دیکھئے دیکھئے حضرت عیسیٰ نبینا وعلیہ السلام، ایک طفل شیر خوار، گہوارے میں لیٹے کیا فرما رہے ہیں۔

اور سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا (۵)

اللہ اللہ یوم ولادت کا ذکر فرما کر دنیا والوں کو بتا دیا کہ دنیا میں آنے والے آتے ہی ہیں مگر ہمارے محبوبوں اور پیاروں کا آنا کچھ اور ہی بات ہے۔ ان کی زندگی کا یہ دن یادگار دن ہے، ہاں سلام ہو اس دن پر! بیشک یہ یادگار دن ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے "پیر" کے دن کے لئے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا ہوں اور پیر کے دن مجھ پر وحی نازل ہوئی اور پیر کے دن ہجرت کی ہے (۶)۔

جس دن اللہ کے محبوبوں کی زندگی میں کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے اس دن کو "ایام اللہ" (۷) میں شمار کر لیا جاتا ہے اور جو واقعہ پیش آتا ہے اسے شعار اللہ قرار (۸) دیدیا جاتا ہے، سبحان اللہ! ـــ کیوں نہ ہو جب کہ ان کا ہاتھ اپنا ہاتھ اور ان کی زبان اپنی زبان قرار دے، تو پھر ان کے دن، اس کے دن اور ان کی ادائیں اس کی ادائیں کیوں نہ ٹھہریں؟ ـــ یہ ایک رمز محبت ہے جس کو محبت والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ظہور قدسی ۵۶۹ء میں پیر کے روز ہوا، جب یہ خوشخبری آپ کے چچا ابولہب کو اس کی کنیز ثویبہ نے سنائی تو ابولہب نے خوشخبری سنتے ہی اس کو آزاد کر دیا (۹) ـــ اللہ اللہ آپ کی آمد آمد نے سب سے پہلے عورتوں کو آزادی کا مژدہ سنایا جو صدیوں سے پس رہی تھیں ـــ یہ پہلا جشن تھا پھر دوسرا جشن آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے منایا اور آپ کا عقیقہ کیا ـــ جب ہم قرآن حکیم کو دیکھتے ہیں کہ وہاں آپ کی تشریف آوری پر بطور خاص احسان جتایا جا رہا ہے ـــ اللہ کی نعمتیں تو بہت ہیں، بے حد و بے شمار مگر جان نعمت آپ ہی ہیں، اسی لئے احسان جتایا جا رہا ہے اور ارشاد ہو رہا ہے۔

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیجا (۱۰) یہی نہیں بلکہ انعام و احسان عظیم کا چرچا کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا۔

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو (۱۱)۔

چرچا بھی کرو، خوشیاں بھی مناؤ ـــ ارشاد ہو رہا ہے۔

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کو صحت اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے ـــ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت (سے ہے) اس پر چاہیئے کہ خوشی کریں۔ وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔ (۱۲) بیشک آپ کی ذات قدسی سب دھن دولت سے بہتر ہے جبھی تو یہ اعلان فرمایا:۔

آپ فرما دیجئے، اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے، اور تمہاری پسند کے مکان ـــ یہ چیزیں اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راہ دیکھو کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا (۱۳)

اللہ اللہ ایک ایک کر کے وہ سب

چیزیں گنادیں دنیا میں آنے والے ہر انسان کا جن میں دل الجھتا ہے ـــــ ایک ایک چیز اپنی طرف کھینچتی ہے۔

ایک ایک چیز دل لبھاتی ہے ـــــ مگر ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی غلامی منظور ہے تو یہ سب چیزیں چھوڑنا ہو گی۔ سب چیزوں سے دل ہٹانا ہوگا ـــــ بس اسی سے دل لگانا ہوگا ـــــ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں (۱۴)۔

ہاں محبت نہیں تو کچھ نہیں ـــــ ساری عبادتیں، ساری ریاضتیں ساری شب بیداریاں زہد و تقویٰ کی ساری داستانیں ـــــ سب ہیچ ہیں۔

ہاں ذکر تھا ولادت باسعادت پر خوشیاں منانے اور شادیاں رچانے کا ـــــ ۶۱۰ء میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا اور اسی کے ساتھ ساتھ پھر اپنا عقیقہ کیا (۱۵) اور اس طرح گویا جشن ولادت منایا ـــــ یہی نہیں آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اپنا حسب ونسب اور حالات زندگی بیان فرمائے (۱۶) ـــــ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ولادت فرمایا (۱۷)۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے حالات بیان فرمائے (۱۸) ـــــ بعض صحابہ کرام کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کا ذکر ولادت اور شمائل وفضائل بیان کئے اور آپ نے خود سماعت فرمائے (۱۹) ـــــ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد صحابہ نے نعتیہ قصائد پیش کئے، آپ خوش ہوئے اور دعائیں دیں (۲۰) ـــــ ۹ھ/۶۳۰ء ہے غزوۂ تبوک سے واپسی پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں، آپ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے ہیں اور ذکر ولادت کے لئے اجازت طلب فرمارہے ہیں ـــــ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مل گئی خوشی خوشی، لہک لہک کے یہ منظوم "مولودنامہ" پیش فرمارہے ہیں:-

۱ـــــ آپ پہلے سایوں میں تھے اور منزل مخصوص میں تھے جہاں پتوں سے بدن ڈھانپا گیا۔

۲ـــــ پھر آپ بلاد میں اترے، اس وقت آپ نہ بشر تھے، نہ گوشت پوست اور نہ خون بستہ۔

۳ـــــ بلکہ وہ آب صافی جو کشتی پر سوار تھا جب طوفان نے بت "نسر" کے پوجنے والوں کو ڈبو ڈالا۔

۴ـــــ آپ صلب سے رحم کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ یوں ایک عالم سے گزر کر دوسرے عالم میں آتے رہے۔

۵ـــــ آپ آتش خلیل میں چھپے چھپے داخل ہوئے، جب ان کے صلب میں تھے تو وہ کیوں کر جلتے؟

۶ـــــ تاآں کہ آپ کا محافظ وہ عظیم الشان گھرانہ ہوا جو بلند مرتبہ ہے۔

۷ـــــ جب آپ پیدا ہوئے، آپ کے نور سے زمین چمک اٹھی اور آفاق روشن ہوگئے۔

۸ـــــ تو اب ہم اس ضیاء نور میں ہیں اور ہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں (۲۱)

دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ پہلا ذکر ولادت تھا جس کا سلیقہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو بتایا ـــــ ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت اور آپ کے فضائل وشمائل بیان فرمائے (۲۲) ـــــ اور ذکر رسول کی محفل سجانے کا سلیقہ جلیل القدر امام، حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے سکھایا۔ جب آپ محبوب کی باتیں سناتے اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تو کیا کرتے؟

توجہ فرمائیے اور ذرا غور سے سنئے۔

پہلے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے، طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے، چادر سر مبارک پر رکھتے ـــــ ان کے لئے ایک تخت مثل عروس بچھایا جاتا ـــــ ـــــ اس وقت باہر تشریف لاتے اور نہایت خضوع وخشوع سے اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے اگر سلگاتے اور اس تخت پر اس وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنی ہوتی (۲۳)

عرض کیا گیا آپ اتنا اہتمام کیوں فرماتے ہیں؟ ـــــ فرمایا:-

مجھے تعظیم رسول سے پیار ہے، ہیں بغیر

وضو اور سکون و وقار کے حدیث بیان نہیں کرتا (۲۴)

اللہ اللہ یہ تھے ۔ امام دار الہجرت، امت کے مسلم امام جنہوں نے عمر بھر امت مسلمہ کو قرآن و حدیث کا درس دیا ۔ اگر ادب سیکھنا ہے تو ان سے سیکھئے، اگر تعظیم کا سلیقہ سیکھنا ہے تو ان سے سیکھئے یقیناً یہ ایک فریضہ ہے جو ہر عاشق کو ادا کرنا تھا ۔ اس لئے یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا اور رفتہ رفتہ قانون الٰہی کے مطابق منظم و مربوط ہوتا گیا ۔۔۔ خلفائے راشدین تابعین، تبع، تابعین اور علمائے امت نے سنتوں کو ایک نظم دیا ۔۔۔ گھر بنانے والے نے گھر بنایا اور سجانے والوں نے اس کو خوب سجایا اور سجانے کا حق ادا کر دیا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور ان پر اپنی بیکراں رحمتیں نازل فرمائے آمین!

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تیسری چوتھی ہجری میں نظم میں آچکی تھی پھر آج سے سات سو برس پہلے ایک نیک باطن اور متقی انسان عمر بن ملا محمد موصلی علیہ الرحمہ نے اس کو باضابطہ قائم کیا (۲۵) ۔۔۔ ان کی پیروی میں مجاہد کبیر سلطان صلاح الدین ایوبی کے عزیز سلطان اربل ملک ابو سعید منظفر الدین نے ساتویں صدی میں سرکاری سطح پر جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا ۔۔۔ ابن خلکان اربلی شافعی (م۔ ۶۸۱ھ / ۱۲۸۳ء) اس جشن کے عینی شاہد ہیں (۲۶) ۔۔۔ تاریخ مرآۃ الزماں کے مطابق اس جشن پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے تھے (۲۷) ۔۔۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک جلیل القدر عالم ابو الاخطاب عمر بن حسن دحیہ کلبی اندلسی بلنسی (م۔ ۶۳۰ھ/ ۱۲۳۲ء) نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا التنویر فی مولد السراج المنیر یا التنویر فی مولد البشیر والنذیر (۲۸) ۔۔۔ عالم موصوف ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء میں سلطان اربل ابو سعید مظفر الدین کے دربار میں حاضر ہوئے اور یہ کتاب پیش کی جس پر ان کو ایک ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں (۲۹) ۔۔۔ شاہان اسلام کے دل میں میلاد پاک کی یہ قدر و منزلت تھی ۔

۔۔۔ سلطان اربل کے علاوہ دوسرے بادشاہوں نے بھی جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا مثلاً شاہ مصر نے یہ جشن منایا جس کے عینی شاہد علامہ ابن جوزی ہیں ۔ وہ اس جشن میں شریک ہوئے (۳۰) ۔۔۔ اس جشن میں ایک ہزار مثقال سونا خرچ کیا جاتا تھا ۔۔۔ سلطان ابو حمو موسیٰ تلمسانی اور ان سے قبل مغرب اقصیٰ اور اندلس کے سلاطین جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا کرتے تھے (۳۱) ۔۔۔ اس جشن کی تفصیل ابو عبد اللہ تونسی ثم تلمسانی نے اپنی تصنیف راح الاردح میں بیان کی ہے ۔ اس کے بعد نمبر ۵ آئے گا ۔

ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ فرمائیں کہ محافل میلاد پاک دور جدید کی ایجاد ہیں یا صدیوں سے علماء اور صلحاء امت کا اس پر عمل رہا ہے ۔۔۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں :-

یہ عمل ہمیشہ سے حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ میں مصر و یمن و شام، تمام بلاد عرب اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں میں جاری و ساری ہے اور وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں قائم کرتے اور لوگ جمع ہوتے ہیں ۔۔۔ اور ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھتے ہی ۔

۔۔۔ خوشیاں مناتے ہیں
۔۔۔ غسل کرتے ہیں
۔۔۔ عمدہ عمدہ لباس پہنتے
۔۔۔ زیب و زینت اور آراستگی کرتے
۔۔۔ عطر و گلاب چھڑکتے
۔۔۔ سرمہ لگاتے

اور ان دنوں خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور جو کچھ میسر ہوتا ہے، نقد و جنس وغیرہ میں سے، خوب دل کھول کر لوگوں پر خرچ کرتے ہیں ۔۔۔ اور میلاد مبارک کے سننے اور پڑھنے پر زیادہ تزک و احتشام کرتے ہیں ۔۔۔ اور اس اظہار مسرت و خوشی کی بدولت خوب اجر و ثواب اور خیر و برکت، سلامتی و عافیت، کشادگی رزق، مال و دولت، اولاد، پوتوں، نواسوں میں زیادتی ہوتی ہے ۔۔۔ اور آباد شہروں میں امن و امان اور سلامتی اور گھروں میں سکون و قرار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میلاد کی برکت سے رہتا ہے (۲۷) ۔

یہ تھے اس محدث وقت کے تاثرات جو عالم اسلام میں آج سے تقریباً ۹ سو سال پہلے پیدا ہوئے ۔۔۔ اللہ اللہ محبت والے کب سے اپنے محبوب کی یاد مناتے چلے آرہے ہیں! حافظ ابو الخیر سخاوی نے

لکھا ہے کہ مصر و اندلس و مغرب کے بادشاہ بڑی شان و شوکت سے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے چلے آرہے ہیں (۳۸) اور نور الدین ابو سعید بورانی نے لکھا ہے کہ اس مبارک موقع پر اطراف و جوانب کے علماء جمع ہوتے ہیں اور یہ شان و شوکت دیکھ کر کافر و گمراہ لوگ جلتے ہیں (۳۹) —— پاکستان میں بھی سرکاری و غیر سرکاری سطح پر بڑے تزک و احتشام سے جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا جاتا ہے۔

ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کی عادتیں اور رسمیں قبول کرتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ ان رسموں کو بھی اپنا رہے ہیں جنہوں نے معاشرے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو مٹا دیا۔ —— وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ اللہ کے محبوب اور پیارے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم ان کی عادتیں اپنائیں یا اللہ اور رسول کے دشمن؟ —— یقیناً اللہ کے محبوب زیادہ مستحق ہیں تو پھر قیل و قال اور حیل و حجت ترک کر کے ہم کو معقول راہ اختیار کرنی چاہیئے اور اللہ کے محبوبوں کی راہ اختیار کرنی چاہیئے اور اللہ کے محبوبوں کی راہ پر چلنا چاہیئے کہ قرآن حکیم نے اسی راہ کو مستقیم کہا ہے (۴۰) —— سچ یہ ہے کہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ تو تھیں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں —— لیکن ساتویں یا آٹھویں صدی ہجری کی بات ہے کہ جلیل القدر عالم امام تقی الدین سبکی شافعی (۶۸۳ھ/۷۵۶ھ) کی خدمت میں علمائے وقت حاضر ہیں، مجلس جمی ہے، حاضرین میں علماء ہی علماء ہیں —— کسی عالم نے اس مجلس مبارک میں امام صرصری کے نعتیہ اشعار پڑھے، وہ امام صرصری جنہیں علامہ محمد بن یوسف شافعی صالحی نے سبل الہدیٰ والرشاد میں "حسان وقت" اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق کہا ہے۔ ہاں جب اس محفل پاک میں اس عاشق صادق کا یہ شعر پڑھا گیا:۔

ترجمہ:۔ بیشک عزت و شرف والے
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر
جمیل سن کر صف بہ صف کھڑے
ہوجاتے ہیں یا گھٹنوں کے بل
دو زانو ہوجاتے ہیں (۳۲)۔

یہ شعر سننا تھا، اچانک امام تقی الدین سبکی اور ان کے ساتھ ہی سارے علماء سروقد کھڑے ہوگئے (۳۳) —— وہ کیا کھڑے ہوئے سارا عالم کھڑا ہوگیا —— اللہ تعالیٰ جب اپنے محبوب کی کسی اداء کو پسند فرماتا ہے تو اسی طرح عام کر دیتا ہے —— آج عالم اسلام میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام و قیام انہیں فاضل جلیل کی یادگار ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اللہ کے فرشتوں کی سنت ہے جس پر امام تقی الدین نے عمل فرمایا:۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں (۳۴)

اور پھر اسی قرآن حکیم میں پروردگار عالم ان درود بھیجنے والے فرشتوں کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

ان صف بستہ فرشتوں کی قسم (۳۵)

اللہ کے فرشتوں اور اللہ کے محبوبوں کے اس عمل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والوں نے محبوب رکھا ہے۔ چنانچہ پاک و ہند کے مشہور عالم، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی اور ہم سب کے مخدوم و محترم حاجی محمد امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) تحریر فرماتے ہیں۔

"اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں (۳۶)۔

بیشک ہر عاشق کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس عاشق صادق کی پیروی کرے —— میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی محفلیں اور قیام و سلام کی یہ محفلیں آج سے نہیں صدیوں سے جاری و ساری ہیں —— چھٹی صدی ہجری کے مشہور محدث علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ (م۔ ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) کا بیان

اب ایک عالمی حقیقت بن چکی اور متفقہ طور پر ملت اسلامیہ کا اس پر عمل ہے ذرا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اٹھائیں اور مقالہ نگار کا یہ فیصلہ سماعت فرمائیں۔

۱۔ —— عملاً پوری دنیائے اسلام میں اس روز خوشی اور مسرت کا سماں ہوتا ہے (۴۱)

۲۔ —— آج تمام اسلامی دنیا میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم متفقہ طور پر منایا جاتا ہے (۴۲)۔

حوالجات

۱۔ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل ابن کثیر: میلاد مصطفٰی (ترجمہ مولانا افتخار احمد قادری) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء ص ۱۴، ۱۶۔

۲۔ اشرف علی تھانوی: السرور بظہور النور مطبوعہ ساڈھورہ، ص ۳۳

۳۔ قرآن حکیم: سورۂ مائدہ، آیت نمبر ۱۱۴

۴۔ قرآن کریم، سورہ مریم، آیت نمبر ۱۵

۵۔ قرآن کریم، سورۂ مریم، آیت نمبر ۳۳

۶۔ (۱) مسلم بن حجاج قشیری: مسلم شریف ج ۱، ص ۷۔

(ب) ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر: اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء ج ۱ ص ۲۱-۲۲

۷۔ قرآن حکیم: سورۂ ابراہیم، آیت نمبر ۵

۸۔ قرآن حکیم: سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۲۵، سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۹۷

۹۔ (۱) ابوالفضل شہاب الدین احمد علی ابن حجر عسقلانی: فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۹، ص ۱۱۸

(ب) عبد الرزاق صنعانی: مصنف، ج ۷، ص ۴۷۸

(ج) بدر الدین عینی: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج ۲، ص ۹۵

۱۰۔ قرآن حکیم: سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۶۴

۱۱۔ قرآن حکیم: سورۂ ضحیٰ، آیت نمبر ۱۱

۱۲۔ قرآن حکیم: سورۂ یونس، آیت نمبر ۵۷-۵۸

۱۳۔ قرآن حکیم: سورۂ توبہ، آیت نمبر ۲۴

۱۴۔ (۱) ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل: بخاری شریف، ج ۱، ص ۱۰۴

(ب) ابوعبداللہ ولی الدین محمد عبداللہ خطیب تبریزی: مشکوٰۃ شریف، ج ۱، ص ۱۴۰

(ج) ابوالحسن بن الحاج قشیری نیشاپوری: مسلم شریف، ج ۱، ص ۱۴۰-۱۴۱

(۱۵) شاہ احمد سعید مہاجر مدنی: اثبات المولد والقیام، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۲۲

(۱۶) (۱) امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی: ترمذی شریف، ج ۲، ص ۶۶۰، ۶۶۷

(ب) مسلم بن حجاج قشیری: مسلم شریف ج ۳، ص ۴۱۷

(ج) ابوعبداللہ محمد عبداللہ خطیب تبریزی مشکوٰۃ شریف، ج ۳، ص ۱۱۹-۱۲۲

۱۷۔ (۱) ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل: بخاری شریف، ج ۲، ص ۲۴۹، ۲۸۳-۲۸۴

۱۸۔ ابوعبداللہ ولی الدین محمد عبداللہ خطیب تبریزی: مشکوٰۃ شریف، ج ۲، ص ۲۹۸، ۳۸۶، ۲۹۵

۱۹۔ علامہ محمد رضا مصری: محمد رسول اللہ: مطبوعہ لاہور ص ۷۲

۲۰۔ محمد بن علوی المالکی الحسنی: حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء ص

۲۱۔ ابوالفداء عماد الدین اسمٰعیل ابن کثیر: میلاد مصطفٰی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء، ص ۲۹، ۳۰

۲۲۔ ابوعبداللہ ولی الدین محمد عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ شریف ج ۳ ص ۱۳۲-۱۳۳

۲۳۔ (۱) ابوعبداللہ ولی الدین محمد عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ شریف ج ۳ ص ۱۳۰

۲۴۔ احمد رضا خاں: اقامۃ القیامہ (۱۲۹۹ھ) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۴۴

۲۵۔ (۱) محمد بن علی یوسف دمشقی شامی: سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد

(ب) عبد الحق مہاجر مکی: الدر المنظم فی حکم عمل مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۶) قاضی شمس الدین احمد بن ابراہیم بن خلکا: وفیات الاعیان انباء ابناء الزمان، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۷ء

(۲۷) علامہ محمد رضا مصری: محمد رسول اللہ، مطبوعہ لاہور، ص ۳۳

(۲۸) علامہ محمد رضا مصری: محمد رسول اللہ، مطبوعہ لاہور، ص ۳۳

(۲۹) (۱) ایضاً، ص ۳۳

(ب) جلال الدین سیوطی: حسن المقصد فی عمل المولد

(۳۰) عبد السمیع رامپوری: انوار ساطعہ (۱۳۰۷ھ) مطبوعہ مراد آباد، ص ۲۶۱

۳۱۔ شیخ محمد رضا مصری: محمد رسول اللہ مطبوعہ لاہور ص ۳۳

۳۲۔ جمال الدین عبد الرحمٰن ابن الجوزی: بیان میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ لاہور ص ۳۴، ۳۵

(ب) شیخ اسمٰعیل حقی: تفسیر روح البیان ج ۹، ص ۵۶

(۳۳) عبد السمیع: انوار ساطعہ (۱۳۰۷ھ) مطبوعہ مراد آباد، ص ۱۷۱-۱۷۲

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۷۱-۱۷۲

۳۵۔ قرآن حکیم: سورۂ فاتحہ، آیت نمبر ۵-۶، سورۂ مائدہ آیت نمبر ۴۶

۳۶۔ عبد الحق مہاجر مکی: الدر المنظم فی حکم

عمل مولد النبی الاعظم، ص ۱۳۳ - ۱۲۴ بحوالہ سیرت حلبی

(ب) احمد رضا بریلوی: اقامۃ القیامہ (۱۲۹۹ھ) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء بحوالہ طبقات کبریٰ از شیخ الاسلام ابو نصر عبدالوہاب بن ابی الحسن تقی الدین سبکی۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۲۳ - ۱۲۴

۳۸۔ قرآن حکیم: سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۶، ۵۷

۳۹۔ قرآن حکیم: سورۂ مومن، آیت نمبر ۷، سورۂ بناء، آیت نمبر ۳۸

(۴۰) محمد امداد اللہ شاہ مہاجر مکی: فیصلہ ہفت مسئلہ (مع تعلیقات مفتی محمد خلیل خاں برکاتی) مطبوعہ لاہور، ص - ۱۱۱۔

۴۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ج ۲۱، ص ۸۲۴

۴۲۔ ایضاً، ص ۸۲۶

**

بقیہ ص ۸۶ کا

دھوپ سے گرم شدہ پانی سے غسل کرنے سے پرہیز، دھوپ میں سونے سے پرہیز، رات کو برتن ڈھانپ کر رکھنے بچے کو احمق عورت کا دودھ پلانے سے پرہیز اور سردی گرمی سے بچنے کی تلقین اگر کوئی طب نبوی کا استعمال کرنے والا شفایاب نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طب کے استعمال کرنے والے کا اعتماد کمزور اور ایمان ناپختہ ہے۔ جو صحت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

**

عبدالمالک رضوی سیتامڑھی

تعلیمات پیغمبر اعظم

تو لیجئے پیش ہیں۔ امت کی اصلاح کے لئے گلستان حدیث کی چند شگفتہ کلیاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

۱۔ اس شخص کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں

۲۔ صبر ایمان سے ایسا ملا ہوا ہے جیسے سر جسم کے ساتھ

۳۔ مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کے برابر ہے

۴۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں پر ہوگا۔

۵۔ جھوٹی گواہی دینا شرک کرنے کے برابر ہے۔

۶۔ جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی۔

۷۔ سکوت پر قائم رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے

۸۔ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اچھی بات منھ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔

۹۔ خاموش رہنے سے انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ بدگو اور بدکردار لوگوں سے ناراض ہوتا ہے۔

۱۱۔ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے فرشتہ ایک میل دور ہو جاتا ہے

۱۲۔ جھوٹ سے بچو کیوں کہ جھوٹ ایمان سے مخالف ہے۔

۱۳۔ جھوٹ سے منھ کالا ہوتا ہے اور چغلی سے عذاب قبر ہے۔

۱۴۔ چغلی کھانیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۱۵۔ حق بات کہتے رہو چاہے تمہارے لئے نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

۱۶۔ بادشاہ ظالم کے پاس حق بولنا افضل جہاد ہے

۱۷۔ ظالموں کے دشمن اور مظلوموں کے دوست رہو

۱۸۔ جو مومن سے دھوکہ کرے وہ ہم سے نہیں۔

۱۹۔ مہنگا بیچنے کی نیت سے جس نے غلہ جمع کیا وہ سخت گنہگار ہے۔

۲۰۔ دنیا میں تم اس طرح رہو جس طرح ایک مسافر یا راہ گیر۔

۲۱۔ مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے روز پل صراط کی تاریکی میں نور ہے۔

۲۲۔ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ قبر میں ابتداً میرے ہی متعلق سوال ہوگا

۲۳۔ بکثرت درود بھیجنے والا قیامت کے دن مجھ سے قریب ہوگا۔

پیغمبر اعظم کا ہمہ گیر انقلاب

علامہ ارشد القادری مصباحی

ایک صدی نہیں، آدھی صدی نہیں، چوتھائی صدی سے بھی کم صرف ۲۳ برس کی مدّت میں روئے زمین پر اتنا بڑا روحانی اور مذہبی انقلاب برپا ہوا کہ آج تک اس کی برکتیں آسمان کے بادل کی طرح برس رہی ہیں، سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی ہیں اور ہمیشہ شگفتہ رہنے والے پھولوں کی طرح مہک رہی ہیں رسالت محمدی کے دریائے ناپید اکنار سے اٹھنے والی ان نورانی لہروں کو آپ گنتے رہئے۔ قیامت کی صبح ہو جائے اور گنتی پوری نہ ہو۔

عقل حیران ہے کہ مکہ کے تیرہ سال قید و بند اور مصائب و آلام کی صعوبتوں میں گزرے اور مدینہ کے دس سال قتل و خون کے معرکوں میں بسر ہوئے لیکن انہی گنے چنے ایام میں دنیا کا اتنا بڑا انقلاب برپا ہوا کہ پوری تاریخ انسانی میں اتنا محیط اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اور اتنا ہمہ جہت انقلاب نہ کبھی چشم فلک نے دیکھا ہے اور نہ عقل اس کا تصوّر کر سکتی ہے۔

ایسا انقلاب جس نے زمین کا جغرافیہ بدل دیا، ریاستوں کے نقشے بدل دئے، قوموں کا ذہن بدل دیا، اخلاق کی قدریں بدل دیں، مجد و شرف کا معیار بدل دیا، فکر کے زاویے بدل دئے دلوں کے تقاضے بدل دئے، طبیعتوں کی سرشت بدل دی، معاشرے کا ڈھانچہ بدل دیا، زندگی کے قافلوں کی سمتیں بدل دیں، لذت و مسرّت اور تکلیف و آرام کے احساسات بدل دئے، یہاں تک کہ چشم زدن میں صدیوں کے بگڑے ہوئے انسانوں کو ایسا بدل دیا کہ وہ اپنے ظاہر سے بھی بدل گئے اور باطن سے بھی وہ اپنے اندر سے بھی بدل گئے اور باہر سے بھی۔ بدلنے والے اس شان سے بدلے کہ جسے دیکھ لیا وہ بھی بدل گیا۔ جسے چھو دیا وہ مٹی تھا تو سونا ہو گیا، قطرہ تھا تو دریا ہو گیا۔ ذرّہ تھا تو سورج کی طرح چمکنے لگا جس آبادی سے گزر گئے وہ ایمان و یقین کی خوشبو سے معطر ہو گئی، جس ویرانے میں قدم رکھ دیا وہ لہلہانے لگی۔

اور انقلاب کی گہرائی میں اترئے تو اتنا ہمہ گیر اور رنگا رنگ انقلاب کہ بیک وقت اسے مذہبی انقلاب بھی کہئے اور زرعی

اشرفیہ کی قیمت میں اضافہ

ملک کی بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے اشرفیہ کی قیمت ۵ روپیہ فی شمارہ اور ۵۵ روپیہ سالانہ کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ قارئین اشرفیہ ہماری مجبوریوں کے پیش نظر اسے بشرح صدر قبول فرمائیں گے۔

نوٹ:۔ قیمت میں اضافہ ماہ اکتوبر ۹۱ء سے ہوگا۔ (مینجر)

* اپنے کو گناہ کرنے سے بچاؤ کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

can

انقلاب بھی، اسے خاندانی انقلاب بھی کہئے اور رنگ و نسل کا انقلاب بھی، اسے علم و فکر کا انقلاب بھی کہئے اور آئین و دستور کا انقلاب بھی، اسے تمدنی اور تہذیبی انقلاب بھی کہئے اور انفرادی و اجتماعی انقلاب بھی، اسے علاقائی انقلاب بھی کہئے اور عالمی انقلاب بھی، اسے دُنیوی و اُخروی انقلاب بھی کہئے اور ابدی و سرمدی انقلاب بھی۔

عقل حیران ہے کہ اتنا بڑا انقلاب جو حیات انسانی کے ہر شعبے پر حاوی ہو تنہا ایک امی انسان کی ذات سے کیونکر وجود میں آگیا۔ اتنا عظیم انقلاب جو دنیا سے لے کر محشر تک سارے بنی نوع انسان پر ابدی سعادتوں کے دروازے کھولتا ہو اور جو دنیوی زندگی کی کامرانی کا بھی ضامن ہو اور اُخروی نجات کا بھی پروانہ عطا کرتا ہو ایک ایسے یتیم کے ہاتھ سے کیونکر سرانجام پایا جس کا خدا کے سوا اس دنیا میں نہ کوئی معلم تھا نہ مربی نہ کوئی محافظ تھا نہ نگہبان۔ سارا خاندان جس سے شاکی، جس کا قبیلہ جس سے منحرف، سارا مکہ جس کے خون کا پیاسا اور سارا عرب جس کا دشمن۔

اور حیرت بالائے حیرت یہ امر ہے کہ ایک مختصر عرصہ میں برپا ہونے والا یہ انقلاب دو چار سال، سو پچاس برس یا دو چار صدی کے لئے نہیں تھا بلکہ چلانے والے نے اس اعلان کے ساتھ اپنا سکہ چلایا تھا کہ وہ ایک ہی نرخ پر قیامت تک چلتا رہے گا۔ دُنیا بدلتی رہے گی، نسلیں پھولتی رہیں گی، پھلتی رہیں گی، انسان آتے رہیں گے جاتے رہیں گے، آبادیوں کا نقشہ بنتا رہے گا بگڑتا رہے گا، قوموں کی کشتی ڈوبتی رہے گی ابھرتی رہے گی لیکن اسلام کا سکہ ہر دور میں چلے گا، ہر ملک میں چلے گا، ہر قوم میں چلے گا، ہر حال میں چلے گا اور ایک ہی نرخ پر ہمیشہ چلتا رہے گا۔

اور تاریخ کے جھروکے سے عقل کا یہ مشاہدہ بھی جھٹلانے کے قابل نہیں ہے کہ بسانے والے نے اسلام کا گھر اس شان سے بسایا کہ اقوام عالم کے درمیان اسلام کو مذہبی، سیاسی، روحانی، علمی، اخلاقی، معاشی، تمدنی، اور فکری بالادستی کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی اس کا انتظام بھی اُسی قلیل مدت میں کر دیا۔

چنانچہ عقل نے جب رسالت محمدی کے دریائے ناپیدا کنار سے اُٹھتی ہوئی ان لہروں کا جائزہ لیا جو پیغمبر اعظم کے جلووں میں مچل رہی تھیں تو وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسلام کو قیامت تک زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے اگر ایک طرف کشور کشا مجاہدین کا اُمنڈتا ہوا لشکر ہے تو دوسری طرف خلافت ارض کا کاروبار سنبھالنے والے فرماں رواؤں کا گروہ ہے۔ اگر ایک طرف اسلامی نظام حیات کا دستور اور شریعت محمدی کے قوانین مرتب کرنے والے فقہاء و مجتہدین ہیں تو دوسری طرف قانون کا نفاذ اور حقوق کے تحفظ کرنے والے قاضیوں کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف معاشرہ کو اسلامی اخلاق و احکام کے سانچے میں ڈھالنے والے مصلحین ہیں تو دوسری طرف قلوب و ارواح کو تجلیات الٰہی کا گہوارہ بنانے والے اصحاب سلوک و احسان کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف کلمۂ اسلام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے والے مبلغین کا دستہ ہے تو دوسری طرف اسلام کے اندرونی نظام اعتقاد و عمل کو غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے پاک کرنے والے مجددین کی جماعت ہے۔

اگر ایک طرف باطنی دُنیا کا کاروبار سنبھالنے والے اولیاء، اغواث، اقطاب، ابدال، اوتاد، نقباء اور نجباء کے نورانی طبقات ہیں تو دوسری طرف ظاہری احوال کو درست رکھنے والے نائبین رسول کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف قرآن کریم کو سینوں کے تہہ خانوں میں محفوظ کرنے والے حفاظ کا طبقہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے حروف و کلمات کو صحیح تلفظ اور ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے والے قاریوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف قرآن حکیم کے مفاہیم و مطالب اور اس کے علوم و معارف سے قلوب و اذہان کو منور کرنے والے مفسرین کرام ہیں، تو دوسری طرف قرآن حکیم کے دلائل و براہین کے انوار سے عقول انسانی کو چراغ دکھانے والے محققین کا طبقہ ہے

اگر ایک طرف پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو امّت کے افراد تک پہنچانے والے راویوں کا گروہ ہے تو دوسری طرف رجال حدیث کے احوال زندگی اور ان کے سلسلۂ روایت کا ریکارڈ رکھنے والے محدّثین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف اصول روایت و درایت کی کسوٹی پر حدیثوں کے جانچنے والے ناقدین ہیں تو دوسری طرف اسلام کے تواریخ و واقعات سے دنیا کو باخبر کرنے والے مؤرخین کی جماعت ہے۔

اگر ایک طرف قرآن کی فقید المثال فصاحت و بلاغت کو ادبی اور فنی بنیادوں پر دنیا کے سامنے پیش کرنے والے اہلِ معانی کا گروہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے اندازِ بیان اور محاورات کی تفہیم کے لئے عرب کی قدیم زبان و ادب اور لغات و اشعار کے ماہرین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم کے شمائل و سیر اور معجزات و خصائص کی تفصیلات سے افراد اُمت کو سرشار کرنے والے اصحاب سیر ہیں تو دوسری طرف قلوب مومنین میں حب رسول کی شمع روشن کرنے والے نعت گو شعراء اور میلاد خوانوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف دینی علوم کو آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے والے اصحاب درس و تدریس ہیں تو دوسری طرف عقل و حکمت کے دلائل سے عقائد اسلام کو مسلح کرنے والے حکماء و متکلمین کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف نبوت کے علوم و معارف کے ذخائر کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرنے والے مصنفین ہیں تو دوسری طرف بحث و استدلال کے میدان میں اسلام کی طرف سے دفاع کرنے والے مناظرین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف مساجد میں اجتماعی نظام عبادت کی قیادت کرنے والے ائمۂ کرام کی جماعت ہے تو دوسری طرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے والے واعظین کا دستہ ہے۔

عقل حیران ہے کہ ایک جہان نو کی تخلیق کی طرح اسلام کی اشاعت و بقا کے یہ سارے انتظامات اتنی قلیل مدت میں کیونکر وجود میں آگئے۔ سینکڑوں انواع و اصناف کے خانوں میں تقسیم ہونے والے ان طبقات کا گہرا مطالعہ کیجئے تو آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ ایک نظام سلطنت کی طرح یہ سارا ساز و سامان صرف اس لئے وجود میں آیا تاکہ دنیا میں اسلام کو ہمیشہ بالادستی حاصل رہے۔

اسباب و علل کی بنیاد پر واقعات کو جانچنے والی عقل کیا اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے کہ وہ عرب جو صدیوں سے کفر و شرک، فواحش و منکرات اور طرح طرح کی وحشت و درندگی میں ڈوبا ہوا تھا، وہ پلک جھپکتے اندر سے باہر تک کیونکر بدل گیا۔

اخلاقی برائیوں سے کسی فرد یا جماعت کا تائب ہو جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے اس طرح کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات معجزہ کی حد تک ضرور حیرت انگیز ہے کہ ملک کا ملک اپنا آبائی مذہب بدل دے قبیلے کا قبیلہ اپنے خاندانی روایات سے منحرف ہو جائے۔ قوم کی قوم اپنے اس عقیدے سے تائب ہو جائے جس پر وہ پیدا ہوئی تھی اور جسے اپنے آباؤ اجداد سے اس نے ورثے میں پایا تھا۔ اور تبدیلی کا ردّعمل بھی اس بیکراں جذبے کے ساتھ کہ پرانے دین کا ایک ایک نشان جب تک مٹ نہیں گیا قرار نہیں ملا۔

اور کیا انسانی تاریخ میں اس واقعہ کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ ایک معصوم پیغمبر لگاتار تیرہ سال تک کفار مکہ کے لرزہ خیز مظالم کا سامنا کرتا ہے یہاں تک کہ ایک دن تنگ آ کر وہ مدینے کی طرف ہجرت کر جاتا ہے اور ابھی آٹھ سال بھی نہیں گزرنے پاتے کہ وہی پیغمبر بارہ ہزار کا جرّار لشکر اپنے جلو میں لئے ہوئے شاہانہ سطوت و جلال اور فاتحانہ کرّ و فر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ مکّے کے وہی باشندے جو ہجرت کی رات میں ننگی تلواریں لئے ہوئے اس کے قتل کا منصوبہ بنا کر آئے تھے اور جو ساری زندگی اس پر مظالم کے پہاڑ توڑتے رہے آج اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ایک شرم سار مجرم کی طرح عفو و درگزر کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

عقل اس سوال پر دم بخود ہے کہ جانے والا تو مکہ سے اکیلا ہی گیا تھا۔ صرف سات سال میں یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار اس کے پاس کہاں سے آگیا۔ آخر یہ کون لوگ تھے جو توحید کا پرچم اٹھائے ہوئے اس مکہ میں داخل ہو رہے تھے جہاں لا الہ الا اللہ کہنا سماج کا سب سے بڑا جرم تھا۔ کیا یہ کوئی آسمانی مخلوق تھی جو بادلوں کے راستے سے فرش خاک پر اتر آئی تھی، یا زمین نے دفینے کے بجائے آدمیوں کا لشکر اُگل دیا تھا ـــ آخر عشاق کی طرح اشارۂ ابرو پہ کٹ مرنے والے یہ دیوانے کہاں سے آگئے تھے۔

اور انسانی فطرت کی یہ عجوبہ کاری تو دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے کہ وہی مکہ جہاں بتوں کے خلاف وعظ تک برداشت نہیں تھا، آج وہیں بتوں پر ہتھوڑے چل رہے تھے اور سارا مکہ خاموش تماشائی تھا۔ جن لوگوں نے اپنے باطل معبودوں کی حمایت میں مسلمانوں کا خون بہایا تھا، ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ پیغمبر کو زخمی کیا تھا، حق پرستوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا آج وہی لوگ خانۂ کعبہ کے اندر سے اپنے فرضی خداؤں کی لاش اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔

اور اس قصے میں سر دھننے کی بات تو یہ ہے کہ صدیوں تک قلوب و ارواح کی سرزمین پر حکمرانی کرنے والے مرکز عقیدت کو توڑتے ہوئے انھیں ذرا بھی قلق نہیں تھا۔ بلکہ ان کے سینے جوش مسرت سے لبریز تھے کہ آج خدائے وحدہٗ لاشریک کے حرم کو انھوں نے معبودان باطل کی آلائش سے پاک کر دیا تھا۔

عقل کہتی ہے کہ یہ تلواروں کا برپا کیا ہوا انقلاب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ فکر و ذہن کا انقلاب تھا۔ یہ فطرتِ انسانی کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کا انقلاب تھا۔ یہ عقیدۂ توحید کے ساتھ روحوں کی گرویدگی اور دلوں کی نیازمندی کا انقلاب تھا۔

پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ فتح مکہ کے بعد سارے جزیرۂ عرب سے بتوں کی مصنوعی ہیبت اور فرضی خدائی کا جنازہ اس دھوم دھام سے اُٹھا کہ تلوار اٹھانا تو بڑی بات ہے کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں تھا۔ اب عرب کے نئے جغرافیہ میں نہ بتوں کے لئے کوئی جگہ رہ گئی تھی اور نہ بتوں کے پرستاروں کے لئے ـــ سارا عرب نعرۂ توحید کے غلغلے گونج رہا تھا۔ قبول حق کے لئے دلوں کے دروازے اس طرح کھل گئے تھے کہ قلب و روح کی پوری بشاشت کے ساتھ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ عہد رسالت کے ۲۳ سال پورے ہو چکنے کے بعد جب پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو نہ صرف یہ کہ سارا جزیرۂ عرب کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہو چکا تھا بلکہ کئی لاکھ مربع میل [illegible]ں میں پھیلی ہوئی اسلام کی ایک خود مختار، اور مستحکم ریاست کا قیام بھی وجود میں آچکا تھا۔

اور اس کے بعد اسلام کا سیل رواں زمین کے طول و عرض میں اس تیزی کے ساتھ پھیلتا گیا کہ خلفائے راشدین کے عہد میمون میں اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر جگمگانے لگا۔ اور ابھی ایک صدی بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ اس کی دھوپ ایشیا، یورپ اور افریقہ کے صحراؤں، پہاڑوں، ریگ زاروں، اور سارے بحر و بر اور خشک و تر پہ پڑنے لگی۔

دلوں کو پگھلا دینے والی، فکر کو جگا دینے والی اور عقل کو لرزا دینے والی یہی وہ منزل ہے جہاں ہم اپنا قلم روک کر دنیا کے دانشوروں کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتے ہیں وہ سنجیدگی کے ساتھ [illegible]ر فرمائیں کہ کیا دنیا میں اس سے پہلے بھی اس طرح کا کوئی روحانی، اخلاقی، اور سیاسی انقلاب انھوں نے دیکھا ہے۔ طاقت کے ذریعے زمینوں آبادیوں اور ملکوں پر قبضہ کرنے والے ایک سے ایک کشور کشا ہم نے دیکھے ہیں لیکن تاریخ میں ایک بھی ایسا فاتح ہماری نظر سے نہیں گزرا جس نے آبادیوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دلوں کی سرزمین فتح کر لی ہو۔ جس نے قلعوں کی فصیلوں اور برجیوں پر اپنا جھنڈا گاڑنے سے پہلے دلوں کی سرزمین پر اپنا نصب کر دیا ہو۔ جس نے آب و گل کی دنیا میں اپنا سکہ رائج

کرنے سے پہلے دلوں کی اقلیم میں اپنی، عقیدت و محبت کا سکہ چلا دیا ہو۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے انھیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے پہلے مکہ میں آنا چاہئے وہاں تلوار پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں تھی، کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں تلواریں بھی چلیں، نیزے بھی اُٹھے، تیر بھی برسے اور طاقت بھی استعمال ہوئی لیکن اسلام کو پھیلانے کے لئے نہیں اسلام کی پیش قدمی روکنے کے لئے، اسلام قبول کرنے والوں کا کلیجہ دہلانے کے لئے، پیغمبر کی آواز کو کچلنے کے لئے، اور اپنے بتوں کا نعرہ بلند کرکے توحید کے پرچم کا مذاق اُڑانے کے لئے۔

لیکن اس کے باوجود دنیا نے پہلی بار عشق و عقیدت اور ایمان و یقین کی گرویدگی کا یہ حیرت انگیز تماشا دیکھا کہ لوگ تلواروں کی ضرب سے گھائل ہوتے رہے، پتھروں کی چوٹ پہ چوٹ کھاتے رہے، انگاروں پہ لوٹتے رہے، پگھلتے رہے، گرم گرم چٹانوں پر چلتے رہے اور قید و بند کی دردناک آزمائشوں میں سلگتے رہے لیکن کلمۂ حق کے ساتھ والہانہ عقیدت کا نشہ تھا کہ اُترنے کے بجائے چڑھتا ہی رہا۔

رسالت محمدی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت انسانی فطرت کا یہ تقاضا اگر نظر میں رکھا جائے تو اسلام کی حقانیت کا احساس دوچند ہو جائے گا اور وہ یہ کہ آدمی دل کی رغبت کے ساتھ وہیں قدم رکھتا ہے جہاں کوئی خطرہ نہ ہو یا جہاں آرام اور منفعت کی کوئی امید ہو۔

سب جانتے ہیں کہ مکہ میں آسائش و منفعت کے سارے وسائل صنادید قریش اور کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھے۔ رسول کے قریب آنے والوں کے لئے سوائے قید و بند، سوائے دار و رسن، اور سوائے اذیت و نقصان کے مادی آسائش و منفعت کی کون سی توقع تھی۔ لوگ دن رات اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھتے کہ جس نے بھی رسول کا کلمہ پڑھا اُس کا جینا دوبھر ہوگیا۔ مکہ کی پوری آبادی درپئے آزار ہوگئی۔ اب وہ ستایا جا رہا ہے تو کوئی اس کی حمایت میں کھڑا ہونے والا نہیں۔ خون کے رشتہ داروں سے کچھ توقع تھی تو وہ بھی قاتلوں، سفاکوں اور درندوں کی صف میں ہیں۔

اب عقلائے عالم ہی فیصلہ کریں کہ ان حالات میں فطرت انسانی کا تقاضا کیا ہونا چاہئے تھا۔ کیوں ایسا نہیں ہوا کہ لوگ کلمہ پڑھنے والوں کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑتے اور ہرگز ایسے اقدام کا ارادہ نہ کرتے جس کے نتیجے میں ان کی اچھی خاصی زندگی طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کردی جائے۔

آخر نبی کی آواز میں وہ کون سی کشش تھی جس نے ان کی فطرت کو ہر طرح کے احساس زیاں سے بے نیاز کردیا تھا۔ اور پھر آخر وہ کون سا جذبۂ شوق تھا جس نے پروانوں کی طرح جل مرنے کی آرزو ان کے سینوں میں پیدا کردی تھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اظہار عشق کا انجام کیا ہوگا وہ بے محابا اپنے مقتل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ لذت اور آسائش کا مفہوم سب کے حق میں یکساں نہیں ہوتا۔ کوئی پھولوں کی سیج پر راحت محسوس کرتا ہے اور کچھ ایسے بھی دارفتگانِ محبت ہیں جنھیں کانٹوں کی نوک سے گھائل ہونے میں مزہ ملتا ہے۔

یہی حال مکہ کے اُن فیروز بختوں کا تھا جن کے دلوں میں اچانک یقین کی شمع روشن ہوئی اور وہ آن واحد میں بے حجاب جلوؤں کے تماشائی بن گئے۔ انھوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ کونین کی ارجمندی نبی کے قدموں میں مچل رہی ہے۔ والہانہ جذبۂ شوق میں اُٹھے اور نبی کے قدموں کے نیچے اپنے دل بچھا دئے۔

نبی کے چہرے میں خدائے ذوالجلال کی تجلیوں کا نظارہ کرنے والوں نے جلتی ہوئی چٹانوں پر اخلاص ووفا

کا نقش کرکے دُنیا کو بتادیا کہ اسلام تلواروں کا مذہب نہیں عشق و وارفتگی کا مذہب ہے۔ اسلام طاقت کا مذہب نہیں، سپردگی کا مذہب ہے۔ اسلام جارحیت کا مذہب نہیں صبر و ضبط کا مذہب ہے۔ اسلام جبر و اکراہ کا مذہب نہیں محبت و دل رُبائی کا مذہب ہے۔ اسلام زر، زن، اور زمین کی رشوتوں کا مذہب نہیں، نبی کے اخلاق کی کشش، نبی کے چہرۂ پُر نور کی طلعت زیبا، نبی کے کردار کے تقدس، سیرت کی پاکیزگی اور نبی کے لائے ہوئے دین کی سچائیوں کا مذہب ہے۔

مکہ کی سرزمین پر شہیدان عشق و وفا کے لہو کا ہر قطرہ پکار رہا ہے کہ پیغمبر نے تلوار چلا کر نہیں، قرآن سُنا کر اسلام پھیلایا ہے۔ اور مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں پتھروں کی چوٹ سے گھائل ہونے والے مظلوموں کا ہر زخم آواز دیتا ہے کہ قبول کرنے والوں نے خوف سے نہیں شوق سے اسلام قبول کیا ہے۔ دل پہلے مومن ہوا اس کے بعد زبان نے کلمہ پڑھا۔ قہر و جبر سے گردن جھکائی جا سکتی ہے پر دل نہیں جھکائے جا سکتے۔ دل کے جھکانے کے لئے جلوؤں کی کشش چاہئے، شخصیت کی دل رُبائی چاہئے اور سیرت کے تقدس کا جمال چاہئے۔ یہ راز تو وارفتگان شوق ہی بتائیں گے کہ حسن ازل کی کس تجلی سے ان کے قلوب گھائل ہوئے، اور آنکھوں کی پتلیوں میں خدا کے وہ دیدار کی کون سی تصویر انھوں نے دیکھا تھا کہ ایک نگاہ بندہ نواز پر متاع زندگی تک انھوں نے نثار کر دیا۔ اور عشق و عقیدت کا عروج تو یہ ہے کہ دم نکل رہا ہے لیکن قدموں میں مچلنے کی آرزو پوری بشاشت کے ساتھ زندہ ہے۔

جو لوگ بدر و احد کے معرکوں کو سامنے رکھ کر اسلام پر تلوار اٹھانے کا الزام رکھتے ہیں وہ مکہ کے مقتل کا معائنہ کیوں نہیں کرتے، وہ غار ثور میں جھانک کر حق کی مظلومی کا رقت انگیز منظر کیوں نہیں دیکھتے وہ شعب ابی طالب قیدیوں کی بے قرار اور سوگوار راتیں کیوں نہیں دیکھتے۔ وہ تاریخ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ مکہ میں اسلام کے پھیلنے کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی۔ کس کے قہر و جبر سے لوگ اندھیری راتوں اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر اسلام قبول کرتے تھے۔

مکہ کے نہتے اور کمزور مسلمانوں نے کس کے مظالم سے تنگ آکر اپنا پیدائشی وطن چھوڑ دینا گوارا کر لیا لیکن اپنے نبی کو وہ نہیں چھوڑ سکے۔

وہ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ مکہ میں اسلام اُس وقت سے پھیل رہا تھا جب بدر و احد کے معرکے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھے۔ مکہ میں اسلام اس وقت سے پھیل رہا تھا جب تلوار اسلام کے ہاتھ میں نہیں اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں میں تھی۔

اس لئے تاریخ کی اس سچائی کے سامنے ہر شخص کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے کہ اسلام دنیا میں اس لئے پھیلا کہ اسلام ہی انسان کا فطری مذہب ہے۔ جس نے بھی اسلام قبول کیا اس نے جبر کا نہیں اپنی فطرت کا تقاضا پورا کیا — مکہ ہی میں نہیں دنیا کے جس خطے میں بھی اسلام کی دعوت پہنچی اس کی پذیرائی کے لئے شرف سلیم فطرت کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک پیاسا پانی پر ٹوٹتا ہے، اسلام کے چشمۂ صافی پر بھی سلیم الفطرت انسانوں کی پیاسی روحیں بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ پیاسے کو پانی پینے کے لئے رشوت نہیں دینی پڑتی، جبر نہیں کرنا پڑتا۔ پیاسا ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ جب تک پیاس نہیں بجھے گی وہ پانی کی تلاش میں سرگرداں رہے گا۔

کچھ اسی طرح کا معاملہ اسلام کے ساتھ بھی پیش آیا سعید روحیں صدیوں سے کسی چشمۂ صافی کی تلاش میں تھیں جیسے ہی یہ خبر پھیلی کہ عرب میں رسالت کی سرزمین سے رحمت و نور کا ایک چشمہ پھوٹا ہے تشنگان شوق معرفت بے ساختہ

اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے ۔ راہِ طلب میں دُنیا نے بڑی رُکاوٹیں کھڑی کیں لیکن گزرنے والے کانٹوں سے نہیں برچھیوں کی نوک پہ قدم رکھ کر گزر گئے۔ آخر ایک دن فیروز بختیوں کی سحر طلوع ہوئی اور جذبۂ طلب کے اخلاص نے رسولِ کونین کی جلوہ گاہ میں انھیں پہنچا دیا۔ صدیوں کی پیاسی روح بادۂ توحید سے اس طرح سیراب ہوئی کہ حوضِ کوثر ہی پر وہ دوسرے جام کی تمنا کرے گی۔

پس درود و سلام کی لگاتار بارش ہو اُس جانِ رحمت پر جس کے تلوؤں کے دھووَن سے آبِ حیات کو حیاتِ جاوداں ملی۔ درود و سلام کے مہکتے ہوئے پھولوں سے معطر رہے خواب گاہ اُس زینتِ کون و مکاں کی جس نے اسلام کا گھر اس خوبی سے بسایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلے۔ ایک قطرہ اتنا پھیلا کہ دریاؤں کو بہائے گیا ایک ذرّہ اتنا بلند ہوا کہ آسمان کی رفعتوں تک ہوگا۔ ایک پھول کی خوشبو اس طرح پھیلی کہ چمن چمن مہک اٹھے۔

عقل حیران ہے کہ اُس پیکرِ زیبا کے کس کس جلوہ کا تماشا دیکھے اور اس کے فضل و جمال کے کن کن نگارخانوں کا نظارہ کرے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ جدھر دیکھیے اسی کے فیض کے چشمے لہرا رہے ہیں۔ جس طرف نظر اٹھائیے ایک ہی تجلی ہزاروں رنگ میں بکھری ہوئی ہے۔ جہاں جائیے پروانوں کا ہجوم، جس صحرا میں قدم رکھئے دیوانوں کا شور۔

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

★★

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور روایات معجزات پر کلام

علامہ محمد احمد مصباحی رکن المجمع الاسلامی۔ استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

علامہ موصوف نے دس گیارہ سال پہلے علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی کی کتاب حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین کے ایک جز (قسم اول) کا ترجمہ کیا تھا، اسے پریس کے حوالہ کرنا ہوا تو اس پر ایک تقدیم کی ضرورت محسوس کی، اسی دوران یہ خیال ہوا کہ سیرۃ النبی میں روایات معجزات کی تنقید کا جو باب وضع کیا گیا ہے اس کا محاسبہ کیا جائے اس طرح یہ تقدیم ایک کتاب کی صورت اختیار کر گئی۔ زیر نظر مضمون اسی کا ایک حصہ ہے۔ افسوس ہے کہ بعض موانع کی وجہ سے مذکورہ بالا ترجمہ و تقدیم کی اب تک اشاعت نہ ہو سکی (ادارہ)

اب ہم مولف سیرۃ النبی کے خود ساختہ اصولوں کی بھرپور تردید اور اصول مسلمہ کی تحریر کے بعد ان روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جنکو مولف نے بے اعتبار ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے اجمالی طور سے ان روایات کا یہ حال ہے کہ انمیں بعض اعلیٰ درجہ کی صحیح روایات ہیں جنکو مولف نے فضائل دشمنی کے نتیجے میں بے اعتبار ٹھہرانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مثلاً بھیڑیے کی گفتگو کا واقعہ دوسری بعض احادیث حسن ہیں۔ اصول کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے کہ حدیث حسن فضائل ہی نہیں بلکہ احکام میں بھی معتبر ہے۔ بعض احادیث یقیناً ضعیف ہیں۔ خود مصنفین سیر و حدیث نے ان کے ضعف کی تصریح کر دی ہے۔ مگر واضح ہو چکا کہ حدیث ضعیف حتیٰ کہ منکر و متروک بھی فضائل میں بالاجماع معتبر ہے۔ اب اگر کوئی اپنا اصول یہ بنالے کہ فضائل میں بھی حدیث ضعیف کا اعتبار نہیں تو یہ اس کے فہم و علم کا قصور اور فضائل دشمنی کا فتور ہے۔ محدثین کرام کا دامن اس بدنما داغ سے پاک ہے۔

بیان ہو چکا کہ اس طرح اصول سازی کا دروازہ کھولنے کی اگر آج کے نام نہاد محققوں کو اجازت ہو تو کوئی محقق یہ بھی فرما سکتا ہے کہ "سارا دفتر احکام و فقہ بالکل بے سروپا بیکار ہے کسی حکم کے لئے ایسی حدیث ضروری ہے جو قطعی و یقینی اور متواتر ہو یا ایسی آیت چاہیئے جو ہر شک و شبہ سے بالاتر اور بالکل مفسر و محکم ہو۔ افسوس کہ تمام فقہاء اسلام حتیٰ کہ ائمہ اربعہ ابوحنیفہ و مالک، شافعی و احمد بن حنبل نے بھی در بارۂ احکام حدیث کا صرف صحیح ہو جانا کافی سمجھا ہے حالانکہ احکام کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے"۔

بتائیے اس اصول کے پیش نظر بخاری و مسلم کی بھی خیر رہ جائیگی؟ اور کوئی بھی مسلمان باعمل ہو کر جینے کے قابل رہ جائیگا کتنے احکام ہیں جو حدیث متواتر اور نص قطعی سے ثابت ہیں؟؟

میرا مقصد یہ ہیکہ ان نئے محققین بلکہ دین کے مبتدع موجدین کے دلآویز الفاظ پر ریجھنا ارباب علم و فن کا کام نہیں ان حضرات نے ایسے اصول کا دروازہ کھول رکھا ہے جنکی ضرب دین و ملت کی ساری بنیادوں پر پڑتی ہے۔ اور جنکے تحت احکام و عقائد کی ساری اساسیں ڈھلنے کا راستہ نکلتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

ہاں مولف نے معجزات کی بعض روایات کو موضوع کہنے کی بھی جسارت کی ہے مگر کوئی دلیل نہ دے سکے کہ آخر موضوع کیسے ہے؟ اسکی سند میں کوئی کذاب و وضاع ہے یا اسکا متن ان پندرہ قرائن یقینیہ اکثریہ کا حامل ہے جنکی بنا پر کسی روایت کو موضوع کہا جا سکتا ہے، کوئی سند کوئی دلیل نہیں

بس یہ فرمانا کافی سمجھا کہ بے سروپا ہے۔ موضوع ہے۔ بے اصل ہے"۔

اگر یوں بلا دلیل کہنے کی اجازت ملے تو کوئی بھی بخاری ومسلم کی صحیح احادیث کو موضوع کہہ سکتا ہے دلیل طلب کیجائے تو بس یہ جواب کافی ہے کہ میرا ذوق تحقیق یہ کہتا ہے کہ "موضوع ہے"[۱] کیا خوب!!

گر ہمیں مفتی و ملا
کار ایمان خراب خواھد شد

روایات پر طعن

اب دیکھئے کیا فرماتے ہیں۔

"دلائل ومعجزات کے باب میں موضوع ومنکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ ایک ایک کرکے اسکی جانچ پڑتال کیجائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے[۲]

کوئی مستقل ضخیم جلد کر دینا تو یقیناً آپ کی یاوہ گوئی سے کوئی بعید نہیں مگر اس باب میں کوئی محقق ومسلم کتاب لکھنا یقیناً آپ کی ذات سے محال ہے۔ صرف چند روایات کی تنقید میں تو آپ نے وہ وہ کرشمے دکھائے ہیں کہ الامان والحفیظ۔۔۔ اگر ایک ضخیم جلد تیار کرتے تو کیا حال ہوتا۔

ابن الجوزی جیسے علامہ مدقق نے موضوعات میں ایک ضخیم جلد تیار کی اور بھی بعض علماء نے اسطرح کی کوشش کی، ان کی نیتوں پر حملہ نہیں کیا جاسکتا مگر کتنی صحیح وحسن روایات کو بے اعتبار لکھ گئے، کتنی ضعیف احادیث کو موضوع کہہ گئے۔ یہ التعقبات علی الموضوعات، اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ، القول المسدد فی الذب عن مسند احمد اور موضوعات کبیر وغیرہ دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی نہیں۔

چودہویں صدی کا نام نہاد محقق جسکے پیش نظر امام بیہقی کی دلائل النبوۃ اور شعب الایمان بھی نہیں، ابویعلی، ابن راھویہ، ابن ابی شیبہ، بزار وغیرھم محدثین کی مسانید و تصانیف بھی نہیں[۳]

جیسے امام عبد الرزاق کی مصنف کے بارے میں یہ بھی صحیح خبر نہیں کہ اسکی کل کتنی جلدیں ہیں اگر وہ نقد وجرح پر کمر ہمت باندھے اور احادیث کو بے اعتبار ٹھہرانے کی ٹھانے تو سوائے اسکے کہ حسب عادت محض اٹکل سے موضوع وبے اصل، بے سند وبے اعتبار کہتا جائے۔ اسکے پاس تحقیقی اور قابل اعتنا سرمایہ بہت کم فراہم ہوسکیگا۔

مزید فرماتے ہیں:۔

ہم صرف ان روایتوں کی
تنقید پر قناعت کرتے ہیں جو
عام طور سے ہمارے ملک میں
مشہور ہیں۔ اور میلاد کی محفلوں
میں ان کو بصد شوق وذوق پڑھا
اور سنا جاتا ہے[۴]

معتبر روایات کو اگر میلاد کی محفلوں میں بصد شوق وذوق پڑھا جاتا ہے تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ سوائے اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب کا چرچا ہوتا ہے جو آپ کے دین کے اصول کے خلاف ہے۔ مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے یہ تو آپ کے مذہب کا کرشمہ ہے جسمیں تعظیم رسول شرک ہے

ہمارے علماء تو بہت پہلے لکھ چکے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم رسول
اس مذہب پہ لعنت کیجئے۔

ہاں آپ کے نزدیک یہ روایات بے اعتبار ہیں جسکی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ فضائل رسول سے تعلق رکھتی ہیں اور ظاہری وجہ جو آپ سپرد قلم فرما رہے ہیں اسے ذرا ہم بھی دیکھیں کہ ان کے مسلم اصولوں سے کہاں تک ہم آہنگ ہے۔

چونکہ یہ حضرات ہمارے آقا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور بڑا بھائی کہتے ہیں اس لئے نورانیت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے انہیں پورا عناد ہے۔

روایات تنقیح میں مؤلف نے سب سے پہلے اول ما خلق اللہ نوری کو لکھا ہے اس پر یہ جرح فرمائی ہے کہ "اس روایت

---

[۱] شق صدر کی ایک روایت جو صحیح مسلم میں بروایت صحیحہ مروی ہے اسے رد کرنے کیلئے مؤلف نے یہی ارشاد فرمایا ہے "میرا میلان تحقیق یہ ہے الخ ص ۴۹۶ ج ۳۔ [۲] سلیمان ندوی: سیرۃ النبی ج ۳ ص ۷۰۳، طبع چہارم معارف اعظم گڈھ،

[۳] بالفرض اگر سب فراہم بھی ہوجائیں تو سب کی سندوں پر ہمہ گیر نظر، پھر سب کے رجال پر اطلاع!! ... کا استیعاب کارے دارد۔ اس دور کے حافظہ کا جو حال ہے وہ مخفی نہیں کہ علامہ ابن الجوزی کی وسعت حافظہ کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہونچتا مزید برآں مؤلف کو خود اعتراف ہے کہ کئی صدیوں کے رجال کے بارے میں کتابوں کے اندر کوئی مواد ملتا ہی نہیں کہ وہ کیسے تھے؟ پھر جرح وتنقید کیا ہوگی۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔ [۴] ایضاً سیرۃ النبی ص ۷۳۰ ج ۳

کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا۔ [1]
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دوسری صدی
سے لے کر چودھویں صدی تک کی تمام
احادیث انکے دفتر میں موجود تھیں اور سب
انہوں نے چھان ماریں جبکہ حال یہ ہیکہ حدیث
کی کتنی متداول کتابیں جو خود مؤلف کے عہد
تالیف میں اسی ہندوستان کے اندر مخطوطہ
یا مطبوعہ شکل میں دستیاب تھیں وہ بھی
انکے کتب خانے میں نہیں۔ وہ احادیث
جو اول ما خلق اللہ نوری کو ماننے
والے علماء کرام کی دسترس میں تھیں اور
مؤلف کے حاشیہ خیال تک بھی نہ پہنچیں
انکا تو شمار ہی نہیں۔

مزید جرح حاشیے میں فرماتے ہیں:
"جو علماء ہر قسم کی روایت میں صحت کے
پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں ان کو اس
میں کلام ہے"۔ [2]

دنیا کے علماء کا وہ کونسا طبقہ ہے جو
ہر قسم کی روایت میں "صحیح" ہونا ضروری
سمجھتا ہے آخر ان کی نشاندھی تو فرمائی ہوتی؟
ہم تو دیکھتے ہیں کہ تمام علماء ہر باب کے
لحاظ سے احادیث کی بھی تقسیم کرتے ہیں
اور ہر باب کے لائق متواتر، صحیح اور ضعیف
احادیث تک بالاجماع معتبر قرار دیتے ہیں اس
کے پیش نظر آپ کی نقل مجہول کا کوئی وزن
نہیں رہ جاتا بلکہ اگر اسے تدلیس کی بدترین
نوع تلبیس و فریب کا نام دیا جائے تو بے
جا نہیں۔

پھر آنجناب یہ بھی نہیں بتاتے کہ کسی
عالم نے اگر اول ما خلق اللہ نوری میں
کلام کیا تھا تو آخر وہ کلام کیا ہے؟ کیا کسی نے
اسے موضوع کہا ہے؟

آگے لکھتے ہیں:-
"البتہ ایک روایت مصنف
عبدالرزاق میں ہے۔ یا جابر
اول ما خلق اللہ نور نبیك من
نورہ۔ اے جابر سب سے پہلے
خدا نے تیرے پیغمبر کا نور اپنے
نور سے پیدا کیا الخ [3]

چونکہ معتمد علماء کرام نے اس حدیث
کو اعتبار کیساتھ نقل کیا ہے اس لئے اس پر
جرح کی اور کوئی گنجائش نہیں ملی تو یہ لکھتے ہیں
کہ افسوس کہ علماء نے اسے بے سند نقل کیا
ہے اور مصنف کی ایک ہی جلد ہمارے پاس
ہے دوسری جلد ملتی نہیں (گویا ان کے خیال
میں مصنف کی صرف دو ہی جلدیں تھیں)
چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ
ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں۔ اور
فضائل و مناقب میں اسکی روایتوں کا
اعتبار کم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اصولی
حیثیت سے اس حدیث کے تسلیم کرنے
میں مجھے پس و پیش ہے۔ تمام علماء قبول
کریں مگر آپ کو قبول نہیں محض اسلئے کہ اسکا
تعلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل
و مناقب سے ہے۔ مزید برآں یہ بھی لکھ گئے
کہ

"فضائل و مناقب کے
باب میں روایاتِ مصنف کا
اعتبار کم ہے۔

وہ کون حضرات ہیں جنہوں نے مصنف
عبدالرزاق تو درکنار میں کہتا ہوں کسی بھی
متداول کتاب کی احادیث کو مطلقاً بے اعتبار
ٹھہرایا ہو۔ فرض کر لیجئے کہ اس میں موضوع
حدیثیں بھی بے شمار ہیں تو کیا اسکی بنا پر
اسکی ہر روایت موضوع ہو جائیگی۔

میں لکھ چکا ہوں کہ صحیح مسلم کی بعض
حدیثوں کو بھی ابن حزم نے موضوع کہا۔ سنن
اربعہ ابوداؤد ترمذی، نسائی و ابن ماجہ کی
سیکڑوں حدیثیں ھیں جن پر محدثین کو کلام
ہے اور صراحتًا ان پر جرحیں کی ہیں اور
صحیح جرحیں کی ہیں تو کیا اس سے ان کتابوں
کی ساری حدیثیں بے اعتبار اور کم از کم
باب احکام میں بے کار ہو جائیں گی؟

آگے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام
کے وجود گرامی سے پہلے نور مصطفیٰ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے موجود ہونے کو بھی
موضوع اور بے سر و پا کہہ ڈالا ہے جبکہ
اس سے پہلے حاشیہ میں یہ لکھ چکے ہیں کہ
"البتہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام
انبیاء میں اول مخلوق ہونا ثابت ہے" [5]

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا تمام انبیاء میں اول مخلوق ہونا اس طرح
ھیکہ یہی وجود گرامی جو مکہ و مدینہ کی سرزمین
پر رسول برحق بنکر مبعوث ہوا بعینہ وہی
تمام انبیاء سے پہلے پیدا ہو چکا تھا!

دنیا کا کونسا عاقل ہے جو اس وجود
پاک کو حضرت آدم سے پہلے کہے جو تمام
انبیاء کرام حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ السلام کے

---

[1] سیرۃ النبی ۳/ ۳۷، [2] ایضاً حاشیہ ۳۷، [3] ایضاً ص ۳۸،
[4] ایضاً ص ۳۹، [5] ایضاً ۳۷،

بھی سیکڑوں برس بعد بطن آمنہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوا اور حضرت آمنہ ابو البشر علیہ السلام کی بیٹی ہیں دادی نہیں!
ماننا پڑیگا کہ جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے بھی پہلے پیدا ہو چکے تھے تو اسوقت حضور کے وجود پاک کی نوعیت کچھ اور تھی۔ اور یہ نوعیت وہی ہے جس کو صریح احادیث بتارہی ہیں کہ سرکار بشکل نور تھے۔ لہٰذا قبل آدم نور گرامی کے وجود ہونے کو بھی بے سروپا اور موضوع کہنا خود بے سروپا اور باطل نہ نضرورت ہے۔
ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری
اولیت نور محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کو ناقابل قبول دکھانے کے لئے ایک فریب یوں دیتے ہیں:۔

"اس تردد کو تقویت اس سے اور بھی زیادہ ہوئی ہے کہ صحیح "احادیث" میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے "قلم تقدیر" کی پیدائش کا تذکرہ بیان ہے

کہ اول ما خلق اللہ القلم

جامع ترمذی کتاب القدر[۱]

گویا فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ کائنات میں سب سے پہلے نور محمدی کہاں پیدا ہوا؟ صحیح حدیثیں تو یہ بتارہی ہیں کہ سب سے پہلے قلم پیدا ہوا۔
سبحان اللہ! قلم تقدیر اور نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر اولیت؟ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو یہ بھی خبر نہیں کہ جمہور علماء کرام "قلم تقدیر کی اولیت کے قائل نہیں۔
یا پھر جان بوجھکر نظر عوام میں اولیت نور گرامی کو باطل ٹھہرانے کی تدبیر نکالی ہے؟ کسی طرح تو اس حدیث معتبر سے چھپا چھوٹے جسمیں صراحتہً یہ فرمان موجود ہے کہ

یاجابران اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ

اے جابر بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"

یہ حدیث بہت مفصل ہے اس میں بھی صراحت ہے کہ قلم وغیرہ تمام چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں۔ قلم اول مخلوق نہیں اس سلسلہ میں دیگر علماء کے اقوال سے پہلے میں خود مؤلف کے مستند علامہ ابن کثیر کی صراحت نقل کرتا ہوں وہ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

والذی علیہ الجمھور فیما نقلہ الحافظ ابو العلاء الھمدانی وغیرہ ان العرش مخلوق قبل ذالک

جمہور کا مذہب یہ ہیکہ عرش قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے جیساکہ حافظ ابو العلاء ہمدانی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

پھر اس کے ثبوت میں امام ابن جریر کی روایت بطریق ضحاک عن ابن عباس اور امام مسلم کی روایت از عبد اللہ بن عمرو بن العاص پیش کرتے ہیں۔

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ قال وعرشہ علی الماء،

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے لکھیں اس وقت عرش پانی پر تھا۔

آگے لکھتے ہیں:۔

وقد دل ھذا الحدیث ان ذالک بعد خلق العرش فثبت تقدیم العرش علی القلم الذی کتب بہ المقادیر کما ذھب الیہ الجماہیر۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ تخلیق عرش کے بعد ہوا تو قلم تقدیر پر عرش کی تقدیم ثابت ہوئی جیساکہ مذہب جمہور ہے۔

یحمل حدیث القلم علی انہ اول المخلوقات من ھذا العالم ویؤید ھذا ما رواہ البخاری عن عمران بن حصین۔
(البدایۃ والنہایۃ۔ ص ۹۔ ج ۱)

حدیث قلم کا مطلب یہ ہوگا کہ اس عالم میں سب سے پہلی مخلوق قلم ہے اسی کی تائید اس حدیث سے

---
[۱] ایضاً ۳۸،

بھی ہوتی ہے جو امام بخاری نے
عمران بن حصین سے روایت کی ہے،
مزید برآں "وعرشہ علی الماء" سے
جس طرح عرش کی تقدیم معلوم ہوتی ہے۔ پانی
کی تقدیم بھی اس سے پہلے ثابت ہوتی ہے
چنانچہ مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے
دونوں کی تقدیم کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے پھر
وہ ازہار کے حوالہ سے اس کی صراحت نقل
کرتے ہیں کہ قلم کا اول مخلوق ہونا عرش،
پانی، اور ہوا کے بعد ہے ہوا کی تقدیم سے
متعلق حضرت ابن عباس کی روایت پیش
کرتے ہیں کہ ان سے ارشاد باری وکان
عرشہ علی الماء کے متعلق سوال ہوا کہ
پانی کس چیز پر تھا؟ انھوں نے فرمایا پشت
ہوا پر[1]

حاصل کلام یہ کہ پوری کائنات میں
سب سے پہلی مخلوق قلم بہرحال نہیں صریح
وصحیح احادیث سے اس کی نفی ثابت ہو چکی
ہے، البتہ نور محمدی کا سب سے اول ہونا
ثابت ہے۔ اسی لئے مواہب وشرح مواہب
للزرقانی میں اختلاف اولیت اس طرح
نقل کیا ہے۔

وقد اختلف ھل القلم اول المخلوقات
بعد النور المحمدی فقال الحافظ ابو
یعلی الھمدانی الاصح وھو مذھب
الجمھور۔ ان العرش خلق قبل القلم
لما ثبت فی الصحیح الخ۔

اختلاف یہ ہیکہ نور محمدی صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد کیا قلم پہلی مخلوق
ہے۔ حافظ ابو یعلی ہمدانی نے
فرمایا اصح اور مذہب جمہور یہ ہیکہ
عرش قلم سے پہلے پیدا ہوا جیسا
کہ حدیث سے ثابت ہے۔

پھر قلم، عرش وغیرہ کی تخلیق سے متعلق
احادیث نقل کر کے فیصلہ یہ فرماتے ہیں۔

فیجمع بینہ وبین ماقبلہ من حدیثی جابر
وابی رزین بان اولیۃ القلم بالنسبۃ الی
ماعدا النور المحمدی والماء والعرش[2]

یہ روایت اور اس سے پہلے حضرت
جابر کی حدیث نوری اور ابو رزین
کی حدیث میں تطبیق یہ ہوگی
کہ قلم کی اولیت نور محمدی اور
پانی اور عرش کے ماسوا کی بہ نسبت
ہے۔

اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مصنف
عبد الرزاق کی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کس قدر مقبول و معتبر ہے۔ اسی لئے حافظ
الحدیث علامہ ابن حجر سے بھی علامہ علی قاری
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فیصلہ نقل کرتے ہیں۔

اختلفت الروایات فی اول المخلوقات
وحاصلھا کما بینتھا فی شرح شمائل الترمذی
ان اولھا النور الذی خلق منہ
علیہ الصلاۃ والسلام ثم الماء ثم العرش[3]

اول مخلوقات کے بارے میں
روایات مختلف ہیں سب کا حاصل
جیسا کہ میں نے شمائل ترمذی کی
شرح میں بیان کیا ہے۔ یہ ہیکہ
سب سے اول مخلوق وہ نور
ہے جس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم پیدا ہوئے پھر پانی پھر
عرش

لطیفہ:۔ مؤلف سیرۃ النبی نے حدیث
نوری کے معارض ذکر کی بھی تو حدیث قلم جس
کی اولیت تمام جمہور کے خلاف حتی کہ شاہ
ولی اللہ دہلوی جو شاید طبقۂ مؤلف کے
نزدیک سب سے زیادہ معتبر و مستند ہیں
وہ بھی حدیث مسلم ذکر کرنے کے بعد فرماتے
ہیں۔

اقول:۔ خلق اللہ تعالیٰ العرش والماء
اول ماخلق ثم خلق جمیع ما اراد ان یوجد
فی قوۃ من قوی العرش یشبہ الخیال
من قوانا۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ
نے عرش اور پانی کو پہلے پیدا
فرمایا پھر ہماری قوتوں میں سے
قوت خیال کے مشابہ عرش کی
ایک قوت میں باقی ان تمام
چیزوں کو پیدا فرمایا جنھیں پیدا
کرنا چاہا۔

لیکن لطف کی بات اس کے آگے ہے
اول ماخلق اللہ القلم شاہ صاحب کے
پیش نظر تھی اس کا جواب دیتے ہوئے
وہ فرماتے ہیں۔

ولا تظنن ذالک مخالفا للسنۃ فانہ لم

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح بعلامہ علی قاری ت/ ۱۴۰۱۰ھ ج ۱ ص ۱۲۲ و ۱۳۹ ار اصح المطابع بمبئی۔ [2] زرقانی ج ۱ ص ۴۸ طبع اول مطبع ازہر مصر ۱۳۲۵ھ
[3] مرقاۃ ج ۱ ص ۱۲۲۔ اصح المطابع بمبئی۔

يصح عند اهل المعرفة بالحديث من بيان صورة القلم واللوح على ما يلهج به العامة شئ يعتد به والذى يروونه هو من الاسرائيليات وليس من الاحاديث المحمدية ۱ے

میں نے جو بیان کیا اسے حدیث کے خلاف نہ سمجھو کیونکہ لوح و قلم کی صورت کا بیان جیساکہ عوام اسے بولتے ہیں علماء حدیث کے نزدیک اس کے بارے میں کوئی قابل اعتبار چیز ثابت نہیں لوگ جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ اسرائیلیات میں سے ہے حدیث محمدی نہیں۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ شاہ صاحب ثبوت لوح و قلم کی جس طرح تردید فرما رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں کہنا یہ ہیکہ کم ازکم مؤلف کو اپنے مستند کا فیصلہ تو ذہن میں رکھنا چاہیئے تھا وہ اسی حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت تمام محدثین کی اکثر و بیشتر کتب مستدا ولہ کو رد کرنے کیلئے چند صفحے پہلے اسی سیرۃ النبی میں نقل کر آئے ہیں غالباً انھوں نے دیدہ و دانستہ جلدی سے یہ حدیث پیش کرکے چھٹی لینے کی کوشش کی ہے کہ ارے سب سے پہلی مخلوق تو قلم ہے اور یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ نور محمدی کی اولیت جس حدیث سے ثابت ہے پتہ نہیں وہ کیسی ہے جب حدیث صحیح کے معارض ہے تو بناوٹی ہوگی، موضوع ہوگی، قطعاً یہ ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ یہ حدیث اتنی معتبر و مستند ہے کہ تمام صحیح احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے بھی علماء نے اس حدیث کے پیش نظر یہی فیصلہ کیا ہے کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری کائنات میں سب سے اوّل مخلوق ہے۔ کیونکہ دیگر احادیث سے جن چیزوں کی اولیت کا پتہ چلتا ہے سب کے متعلق اس حدیث مفصل میں صراحت آگئی ہے کہ یہ سب اسی نور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا کی گئی ہیں لہٰذا ان کی اولیت اگر ہے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مخلوقات کے لحاظ سے ہے۔

—— (۲) ——

فرماتے ہیں :۔

روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر حضرت آدم کے تیرہ و تار جسم کا چراغ بنا، پھر آدم نے مرتے وقت شیث کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔ ۲ے

روایتوں میں ہے کس روایت میں کس کتاب میں کون سے الفاظ کے ساتھ ہے اس کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں البتہ یہ جبر وتی فیصلہ ضروری ہے۔

" نور کا سجدہ میں پڑا رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے۔ اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہنا بے سر و پا ہے " ۳ے

جب ایک روایت میں نہیں کئی روایتوں میں ہے تو پھر موضوع کیسے ہے؟ بے سر و پا کیوں ہے؟ دلیل کیا ہے؟ اس کے بیان کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ بس ہمارا فرما دینا کافی سمجھو۔ کسی آیت قرآنی کے مخالف ہے؟ کسی روایت متواترہ کے معارض ہے؟ کیا دلیل عقلی اس کی تردید کرتی ہے؟ یہ سب کچھ نہ پوچھو۔ سند میں کوئی کذاب، وضاع ہے؟ کسی معتبر محدث نے اس کی تشریح کی ہے؟ کسی حافظ حدیث و عالم رجال نے اس کی توثیق فرمائی ہے؟ ان سب بحثوں میں پڑنیکی ضرورت نہیں۔ بس ہمارا میلانِ تحقیق یہ ہیکہ موضوع ہے بے سر و پا ہے۔

ا۔ " یہ نور سجدہ میں پڑا رہا ":۔ ہرگز یہ کسی روایت کی عربی عبارت کا صحیح محتاط ترجمہ نہیں ہو سکتا اگر ہے تو کوئی صاحب پیش کریں۔

۲۔ " پھر آدم نے مرتے وقت شیث کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا "۔ یقیناً یہ کسی روایت کا ترجمہ نہیں مؤلف نے خود

۱ے حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۹۸ - ۳۹۹ - با ترجمہ۔ شائع کردہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند ۲ے سلیمان ندوی سیرۃ النبی جلد ۳ ص ۳۸، طبع چہارم
۳ے ایضاً جلد ۳ ص ۳۹

گڑھا ہے اور یہ ان ہی کے وضع کئے ہوئے الفاظ ہیں۔

(الف) حضرت آدم نے مرتے وقت اور ہر بزرگ نے مرتے وقت وصیت کی۔ اس کی صراحت کسی کتاب سے پیش کرنی چاہیئے۔

(ب) مرتے وقت پہلے وصی بنایا پھر نور سپرد کیا۔ یہ بھی کوئی محدث صاحب دکھانے کی زحمت کریں۔

(۳) بات دراصل یہ ہیکہ موضوع کہنے کی گنجائش نہ ملی تو خود الفاظ روایت کو توڑ مروڑ کر اُردو میں منتقل کیا کہ عقل کے خلاف معلوم ہوا اور دلیل عقلی دکھانیکی گنجائش ملجائے کہ صاحب! یہ نور کوئی ایسی چیز تو تھی نہیں کہ الگ سے رکھی ہو اور مرتے وقت بیٹے کے حوالہ کردیجائے، یقیناً یہ نور پیشانی میں چمکتا ہوگا، پشت میں موجود رہا ہوگا۔ پھر یک بیک مرتے وقت کسی زندہ اور جوان عمر شخص کے حوالہ کرنیکے کیا معنیٰ؟

(۴) حقیقت یہ ہیکہ نور گرامی تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت واقعۃً ان کے جسم مبارک میں ودیعت فرمایا گیا اور پشت سے بطن میں، بطن سے پشت میں منتقل ہوتا ہوا آیا آیت کریمہ وتقلبك فی الساجدین کا ایک معنی یہ بھی ہے اور اسی کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح احادیث میں فرمایا ہے کہ بعثت من خیر القرون قرنا فقرنا۔

جس کے پیش نظر علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ اجلۂ علماء اسلام نے فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ دادا دادیاں سبھی ہمیشہ پاک، طیب وطاہر، اور موحّد ومسلمان تھے۔

(۵) ہم خود مؤلف ہی کی عبارت سے اور دوسری دلیلوں سے یہ ثابت کر آئے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نور کا وجود ہونا بالکل حق وصحیح ہے ورنہ تمام انبیاء میں سرکار کے اول مخلوق ہونیکا کیا معنیٰ ہے؟

(۶) جس فرزند کی پیشانی میں وہ نور گرامی چمکتا ہوا نظر آتا ہے باپ کو معلوم ہو جاتا کہ نور حق اسی کو عطا ہوا اسے وصیت کیجاتی کہ اس نور کا احترام وتحفظ رکھنا یہ پاک بطن ہی میں ودیعت ہونا چاہیئے۔

(۷) جب یہ ثابت ہوچکا کہ وہ نور تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اور یقیناً وہی نور گرامی لباس بشری میں اس عالم رنگ وبو میں جلوہ گر ہوا جسے قرآن نے فرمایا۔ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین ۵

اور محدثین ومفسرین نے تصریح فرمائی کہ اس نور سے مراد ذات سرور کائنات علیہ التحیات ہے تو یقیناً وہی نور گرامی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے واسطے سے درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا بطن آمنہ سے فرش گیتی پر رونق افروز ہوا۔ اب رہی صرف یہ بات کہ اس نور کے متعلق حضرت آدم اور ان کی اولاد میں یہ وصیت جاری رہی کہ کسی پاک عورت ہی کو یہ نور حلال وپاک طریقہ سے سپرد ہو تو اس میں کوئی استبعاد کی بات نہیں۔ البتہ یہ سوال ہوسکتا ہے کہ یہ معلوم کیوں کر ہوتا کہ فلاں فرزند ہی کی پیشانی میں یہ نور جلوہ گر ہے؟ تو محدثین اس کا بھی جواب دے چکے۔ ظاہر ہیکہ یہ نور تھا پیکر خاکی کو جب ملتا تو پیشانی میں چمکتا۔ پہچان لیا جاتا کہ نور کا امین یہی ہے۔ وصیت اسی کو ہوتی۔

(۸) الغرض عقلاً نقلاً اس روایت کو موضوع اور بے سروپا گرداننے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب روایت موجود ہے اور دلیل عقلی ونقلی سے اس کی نفی ثابت نہیں تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر دین کا کون سا رکن منہدم ہوا جارہا ہے کہ اسے موضوع کہنا ہی لازم وفرض ہے؟

(۹) مؤلف کا یہ بیان ان کے اپنے بے جا تصرف کیساتھ دو روایتوں کا حاصل ہے۔ ایک روایت علامہ ابن مرزوق نے بطریق امام زین العابدین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام۔ میں آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے حضور نور تھا۔

علامہ زرقانی اس کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رب کے حضور ہونے کا یہی معنیٰ ہے کہ اس سے انتہائی قرب معنوی میں تھا۔ وہ نور گرامی تمام چیزوں سے پہلے پیدا ہوا پھر قدرت الٰہیہ سے جہاں مشیت ہوئی دورہ کرتا رہا۔ (جیساکہ حدیث جابر میں صراحت ہے) تو رب کے حضور ہونے کی کیفیت بھی انھیں مراتب دورۂ گرامی

سے ایک مرتبہ ہے۔

مزید برآں امام مسلم صاحب صحیح کے شیخ امام محمد بن عمر عدنی کی مسند حدیث سے اسکے مؤید ایک دوسری روایت بھی نقل فرماتے ہیں۔ اور ابوالحسن علی بن قطان سے نقل کرتے ہوئے اس کی تائید و تطبیق بھی بیان کرتے ہیں۔[1]

دوسری روایت تاریخ خمیس وغیرہ کے حوالوں سے مواہب و شرح مواہب میں نقل ہوئی ہے۔ جس کے مختصر الفاظ یہ ہیں۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں، تاریخ خمیس اور دوسری کتابوں میں ہے۔

وذلك النور كان ينتقل من جبهة إلى جبهة وكان يوخذ في كل مرتبة عهد و ميثاق أنه لا يوضع إلا في المطهرات، فأول من أخذه آدم من شيث وهو من ابنه وهكذا۔

وہ نور ایک پیشانی سے دوسری پیشانی کو منتقل ہوتا اور ہر درجہ میں عہد و پیمان لیا جاتا کہ یہ نور پاک عورتوں ہی میں رکھا جائے۔ سب سے پہلے یہ عہد حضرت آدم نے شیث سے لیا انھوں نے اپنے فرزند سے اور پھر اسی طرح ہوتا رہا۔

مواہب کے الفاظ ذرا مفصل ہیں۔ اور جا بجا شرح مواہب میں اس کا تکملہ بھی ہے۔ حاصل وہی ہے جو خمیس سے علامہ زرقانی نے نقل کیا۔[2]

(۱۰) الغرض علامہ زرقانی نے بھی اس کی تردید و تغلیط کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس پر مکمل گفتگو کی۔ صاحب مواہب لدنیہ علامہ احمد قسطلانی سے تو استاذ و شاگرد (شبلی و سلیمان) دونوں صاحبان خار کھائے ہوئے ہیں۔ لیکن زرقانی کو تو مستند مانتے ہیں۔ چنانچہ جلد اول میں استاذ نے جہاں مواہب لدنیہ کی بے اعتباری دکھلاتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی ہیں۔ وہیں اسکے نیچے زرقانی علی المواہب کے متعلق رقم طراز ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی"[3]

اس سے بھی واضح سنئے۔ سلیمان ندوی اسی جلد سوم میں یہی معجزات کی روایات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے مثلاً زرقانی وغیرہ وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے"[4]

کہنا یہی ہے کہ جب علامہ زرقانی تک نے بھی نہ ان روایات کی تردید فرمائی نہ تضعیف، بلکہ توثیق کی تو پھر آپ نے بالکل موضوع اور بے سروپا کیسے سمجھ لیا؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وتقلبك في الساجدين ۵

سے علماء کے استدلال پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق و سباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے، اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔"[5]

کیوں اعتبار کے قابل نہیں؟ کیا طبقات بن سعد، معجم طبرانی اور مسند بزار وغیرہ سب کتابوں میں اس روایت کی جتنی سندیں ہیں سب کی سب باطل و موضوع ہیں؟ یا یہ دلیل عقلی و نقلی کے مخالف ہے؟ کوئی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں بس کہہ دینا کافی ہے۔

یہ استدلال امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں یہ ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد سب کے سب مسلمان تھے۔ اس پر اسی طرح کا اعتراض پیش کیا گیا۔ جیسا کہ مؤلف نے کہا کہ "پوری آیت کے الفاظ اور سیاق و سباق اس کا ساتھ نہیں دیتے"، اس اعتراض کے متعلق علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ تارعنکبوت

---

[1] زرقانی ج ۱ ص ۴۹ [2] زرقانی ج ۱ ص ۶۵، [3] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۷، طبع چہارم معارف اعظم گڑھ۔ [4] سلیمان ندوی: سیرۃ النبی ج ۳ ص ۲۱، طبع چہارم، معارف اعظم گڑھ، [5] سلیمان ندوی سیرۃ النبی ج ۳ ص ۷۹،

سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

(۱۱) حقیقت امر یہ ہے کہ قرآن مقدس علوم و معارف کا خزینہ ہے۔ اور علماء صراحت فرماتے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت بلکہ ایک لفظ میں بھی متعدد معانی ہوتے ہیں۔ اور قرآن اپنے تمام معانی کے ساتھ حجت ہے۔ ہاں کوئی ایسا معنی مراد نہیں لیا جاسکتا جو صریح آیات اور نصوص محکمات کے مخالف و معارض ہو۔ اور ہر معنی اگر بجائے خود صحیح ہے تو وہ حجت اور قابل استدلال ہے۔ اس طرح کے استدلال کی متعدد مثالیں خود مؤلف کے مستند علماء کی کتابوں سے پیش کیجا سکتی ہیں [۱]

امام فخر الدین رازی نے اسرار التنزیل میں فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہ تھا، بلکہ چچا تھا، اس پر کئی طرح سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ انبیاء کے آباء کافر نہ تھے۔ پھر اس کے دلائل تفصیلاً واجمالاً لکھ کر کے آیت کریمہ (الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین) ذکر کرتے ہوئے اس کا معنی بتاتے ہیں۔ کہ

انہ کان ینتقل نورہ من ساجد إلی ساجد فالآیۃ دالۃ علی أن جمیع آباء محمد کانوا مسلمین۔

حضور کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کو منتقل ہوتا رہا۔ آیت اس پر دلیل ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے۔

پھر علامہ زرقانی اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے پیش کرتے ہیں جسے ابن سعد بزار طبرانی، اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ اور مزید فوائد نقل فرماتے ہیں [۲]

حاصل کلام یہ کہ مؤلف سیرۃ النبی نے یہاں پر بالکل موضوع اور بے سر و پا ہونے کا جو جبروتی حکم لگایا ہے وہ خود بالکل موضوع، بے سر و پا اور ناقابل اعتنا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ علماء کی تمام تر تصریحات اور کسی حدیث کو موضوع کہنے سے متعلق ان کی سخت تنبیہات سب کچھ ان کے سامنے ہے۔ جس طرح کسی انسانی من گھڑت کو حدیث ٹھہرانا بہت بڑا جرم ہے اسی طرح کسی حدیث کو انسانی من گھڑت کہنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک تو حدیث کو حدیث نہ ماننا۔ دوسرے کسی مسلمان بلکہ مسلمانوں کے ائمہ و محدثین کی طرف وضع حدیث جیسے بدترین گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا، جبکہ کسی معمولی مسلمان کی طرف بھی بلا تحقیق کسی گناہ کی نسبت کرنا خود گناہ ہے۔ لیکن جو حدیث مؤلف کے خلاف مطلب ہو یا فضائل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو اسے موضوع کہتے ہوئے مؤلف کو نہ تو خدا کا خوف ہوتا ہے نہ مخلوق سے شرم۔ نہ اہل علم و تحقیق کے آگے رسوائی کا اندیشہ۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ

(۳)

بحیرا [۳] راہب کا واقعہ جس کی صحت و صداقت مسلم ہے حتی کہ ابن تیمیہ کے سب سے قریبی شاگرد زاد المعاد میں اسے صحیح مانتے ہیں [۴] اور شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں اسے اعتماد کے ساتھ ذکر کرتے ہیں [۵]۔ حافظ الحدیث علامہ ابن حجر اس کے تمام رجال کو ثقہ رجال صحیح بخاری سے قرار دیتے ہیں [۶]۔ مگر سیرۃ النبی کے مؤلفوں کو اس سے بالکل انکار ہے۔ انھوں نے اس پر بڑی شد و مد سے اعتراضات کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس راہب سے حضور کی ملاقات سرے سے تسلیم ہی نہیں۔ اگر ملاقات تسلیم ہوتی اور تفصیلات

---

[۱] تفصیل کیلئے دیکھئے، الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا باب ۲ فصل اول آیت ۳۲ اور الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی از امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ۔

[۲] حیرت و تعجب کی بات یہ ہے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت کو مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب میں تسلیم کیا۔ اور دوسرے بہت سے علماء دیوبند اور مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی حسین احمد مدنی وغیرہ نے بھی حضور کی نورانیت کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے مقیاس النور مولفہ مولانا محمد عمر اچھروی شائع کردہ حامد اینڈ کمپنی لاہور۔ [۳] بفتح الموحدۃ وکسر الحاء المہملۃ وسکون المثناۃ التحتیۃ آخرہ راء مقصورۃ قالہ غیر واحد۔ (وقال البعض آخرہ راء ممدودۃ ای بحیراء) ۔ زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۹۴ [۴] ابن قیم زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ج ا ص البتہ اس واقعہ میں حضرت بلال کی موجودگی کا انھوں نے بھی انکار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مسند بزار میں حضرت بلال کی شرکت کا ذکر نہیں۔ [۵] شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم دہلوی۔ حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۵۶۶ مکتبہ رحیمیہ دیوبند [۶] علامہ ابن حجر عسقلانی۔ الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج ص

یہ شبہ ہوتا تو اسی طرح ذکر کرتے مگر ان حضرات نے اس واقعہ کو جھٹلانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اور ایسی ایسی نادر تحقیقات کے شگوفے چھوڑے ہیں۔ کہ اگر سب تسلیم کر لئے جائیں تو بخاری و مسلم کی بھی خیر نہیں۔ اس پر شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی جلد اول میں کئی جرحیں لکھی ہیں۔ پھر ان کے شاگرد نے جلد سوم میں وہ تمام جرحیں یا ایجادات مزید جمع کر دی ہیں۔ جلد اول میں ہے۔

"بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر (سفر شام میں) میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔ کہ جب ابوطالب بصریٰ میں پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہیں" لوگوں نے پوچھا تم نے کیوں کر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کیلئے جھک گئے۔

یہ روایت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر عام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے، سر ولیم میور، ڈریپر مارگیو لوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں[1] اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق واسرار اس راہب سے سیکھے، اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے انھیں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول ان ہی نکتوں کے شرح و حواشی ہیں[2] (آگے لکھتے ہیں) لیکن حقیقت یہ ہے کہ روایت ناقابل اعتبار ہے[3]

یہ واقعہ آپ کو چاہے تسلیم نہ ہو لیکن جب مسلمانوں کے معتمد علمائے اسے صحیح مانا ہے تو اسلام کی سچی وکالت تو یہ تھی کہ عیسائی مصنفین کے اس خیال باطل کے پرخچے اڑا دئے جاتے اور انھیں دکھایا جاتا کہ تمام تر مذہب عیسائیت بلکہ جملہ کتب آسمانی جو ہمارے سامنے ہیں ان بے شمار تعلیمات سے یکسر خالی ہیں۔ جو سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیں۔ عیسائیت کے پاس جب اتنی زبردست تعلیم موجود تھی تو آج تک سامنے کیوں نہ آئی۔ جب خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات و ہدایات میں یہ تفصیلات موجود نہیں تو کیونکر خیال ہو سکتا ہے کہ ان کے متبع ایک راہب کے پاس وہ سب کچھ موجود تھا جو مذہب اسلام میں آیا۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ وہ راہب ہمارے رسول کو سید المرسلین، سید العلمین رحمۃ للعلمین تسلیم کرے غرض اجمالاً و تفصیلاً عیسائیوں کے اس خیال باطل کا شاندار اور دنداں شکن جواب ہو سکتا تھا مگر مؤلف نے ہلکے پھلکے لفظوں میں اسے رد کرتے ہوئے سارا زور قلم اس پر صرف کیا ہے کہ یہ روایت ہی ناقابل اعتبار ہے۔

جلد سوم میں ان کے شاگرد کا خاص روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔ یہ اپنے زعم میں ان لوگوں کی اصلاح فرما رہے ہیں جو محافل میلاد میں بے سروپا روایات سننے سنانے کے خوگر ہیں۔ ظاہر ہے کہ بحیرا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مان لینے میں اسلام کا کوئی رکن منہدم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بحیرا نے

---

[1] لہٰذا عیسائیوں کا آسان جواب یہ ہے کہ کہدیا جائے یہ روایت ہی بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ اور پھر ایسے ایسے عجائب وغرائب کی نمائش کرائی جائے اور اپنے مسلم الثبوت رواۃ پر ایسی جرحیں لکھی جائیں کہ پھر وہی عیسائی ان جرحوں کو لیکر بخاری و مسلم بلکہ صحاح ستہ و جملہ کتب متداولہ کی سیکڑوں ہزاروں حدیثوں کو ناقابل اعتبار اور مردود قرار دیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

[2] در بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست ؛ یا سخن دانستہ گو اے مرد غافل یا خموش

[3] شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۷۸ - ۱۷۹ طبع چہارم معارف اعظم گڈھ۔

حضور کو سید المرسلین اور سید العلمین کہا۔ ان کے آگے شجر و حجر کے جھکنے کی شہادت دی، بادل کے سایہ فگن ہونے کا اقرار کیا، مہر نبوت دیکھ کر ان کا خاتم المرسلین ہونا پہچانا۔ ظاہر ہے کہ ان باتوں میں عقائد اسلامی کی کوئی مخالفت نہیں بلکہ موافقت ہی موافقت ہے۔ البتہ اسے رد کرنے کے لئے رواۃ پر جرح نامعتبر کا جو بدترین فریضہ انجام دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کا سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ کیونکہ وہ رواۃ صرف ترمذی کے نہیں بخاری و مسلم بلکہ صحاح ستہ کے بھی ہیں۔ اور ان پر جرحوں کے جو الفاظ نقل کئے گئے یہ الفاظ صرف اُن ہی رواۃ تک محدود نہیں، بخاری و مسلم بلکہ صحاح ستہ بلکہ تمام کتب حدیث کے سیکڑوں رواۃ پر ایسی بے ضرر جرحیں ملتی ہیں کہ فلاں راوی کو ایک جگہ یا چند جگہ وہم ہوا۔ بعض روایتوں میں تو انھوں نے اپنے رفقائے درس کی مخالفت بھی کی ہے ان سے بعض جگہ غلطیاں بھی ہوگئی ہیں۔ ایسی جرحیں بیشمار راویوں کے بارے میں ملیں گی۔ صحاح ستہ کے رجال دیکھئے۔ اور اسماء الرجال کی کتابیں اٹھائیے۔ کتنے ہیں جو حافظہ و ذہانت اور نقل و روایت میں بالکل معصوم نظر آتے ہیں۔ کہ ناقدین نے ان کی کسی خطا کا کوئی تذکرہ بھی نہ کیا ہو۔

لیکن جب ان جرحوں کے باعث واقعہ بحیرا کے رواۃ مجروح ٹھہرے، اور ان رواۃ کے باعث یہ واقعہ بے اعتبار ٹھہرا تو جتنے رواۃ پر ایسی جرحیں ہوں گی سب مجروح و بے اعتبار ہوں گے اور ان کی ساری روایتیں بھی بے اعتبار ہوں گی۔

اب اگر وہی عیسائی ایسی ہی جرحوں کو لے کر بخاری و مسلم بلکہ تمام کتب حدیث کی ہزاروں روایتوں کو غلط، موضوع، اور پایۂ اعتبار سے ساقط گردانیں تو اس میں ان کا کیا قصور ہوگا؟ خود آپ ہی نے انھیں یہ غلط راہ دکھائی اور اسلام پر اعتراضات کے نئے نئے دروازے کھولے۔ اور کوئی بھی مسلمان آپ کو مستند مان لینے کے بعد پھر اسلام کی وکالت کیا کر سکے گا۔ اور ان نئے اعتراضات کے جوابات کیا دے سکے گا؟ یقیناً یہ کوئی دانشمندانہ طریقہ نہیں کہ عیسائیوں سے مرعوبیت کے نتیجے میں ان کا دنداں شکن اور صحیح جواب دینے کی بجائے خود اپنی ہی بیخ و بن اکھاڑ پھینکنے کی تدبیر نکالی جائے۔

اب آیئے ان طلسمات نقد و جرح کا تماشا دیکھئے جو استاذ و شاگرد نے اس روایت کے تحت دکھائے ہیں۔ اور پھر ان کے نقصانات کا اندازہ کیجئے کہ واقعہ بحیرا کے اعتراض سے تو چھٹی مل سکتی ہے۔ مگر ویسے ہی بلکہ اس سے زبردست ہزاروں اعتراضات سر پر کھڑے ہوکر هَل مِن مُّبَارِز کا نعرہ لگائیں گے۔ اور اس گروہ کا کوئی جواب دینے والا نظر نہ آئے گا۔

فرماتے ہیں:۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے[1]۔ مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں[2]۔ اس قصہ کا سب سے محفوظ[3] طریقہ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمٰن بن غزوان جو ابو نوح قراد کے نام سے مشہور ہے[4] یونس بن اسحٰق سے، اور وہ ابوبکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعری سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ سند میں نہ صرف عبدالرحمٰن بن غزوان بلکہ دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں۔

۱۔ سب سے اول یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسلمان ہوکر ۷ھ میں یمن سے مدینہ آئے تھے، اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ پچاس برس پہلے کا ہے، حضرت ابو موسیٰ نہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے

---

[1] پھر بھی اصرار یہی ہے کہ غلط ہے۔ [2] مرسل و منقطع ہونے کے باعث اگر یہ مردود ہے تو کتب سیر کا ۳/۴ حصہ مردود ہو جائے گا۔ [3] محفوظ کہاں رہ گیا؟ آپ نے تو اس کی اس بری طرح خبر لی ہے کہ اس کے سامنے غیر محفوظ بھی کہے گا کہ میں تجھ سے اچھا ہوں [4] اس صیغے پر حیرت نہ کیجئے آگے اس سے زیادہ ہے۔ یہ اگرچہ امام احمد بن حنبل کے استاذ ہیں مگر جس پر جرح کرنی ہے اس کا احترام کیا معنی؟

سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان نہ کرتے ہیں، اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔

یہ کہئے کہ انھوں نے کسی سے سنا ہی نہیں، خود اگر گڑھ کر نہیں بیان کیا تو ضرور ان کے بیٹے نے گڑھ کر ان کی طرف منسوب کیا۔ صرف مرسل ہی کہا تو کون سا بڑا تیر مار لیا۔ مرسل کو تو تمام علماء حنفیہ و مالکیہ اور جمہور علماء باب احکام میں بھی حجت مانتے ہیں اور فضائل میں تو اگر صاحب ارسال غیر ثقہ ہو تو بھی بالاتفاق معتبر ہے۔

۱۔ راوی خود ثقہ ہونے کے باوجود اگر شریک واقعہ ہو یا شریک واقعہ سے روایت کرتا ہو جب تو روایت معتبر ہے ورنہ نہیں" یہ کلیہ کسی اسلامی کتاب میں کہیں نہیں مل سکتا۔ استاذ و شاگرد نے اسے انگریزوں سے سیکھا ہے وہ بھی ہر جگہ اتنی شدت کے قائل نہیں مگر ان حضرات نے اپنی طرف سے بھی کچھ شدت بڑھالی ہے۔

۲۔ صحابی کی روایت بھی مرسل ہوتی ہے اس سے بالکل پہلی مرتبہ کان آشنا ہوئے ہیں۔ باب احکام میں بھی صحابی نے اگر کوئی ایسا مسئلہ بیان کیا جس میں قیاس و اجتہاد کو دخل نہیں تو تمام علماء یہی فرماتے ہیں کہ وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ یقیناً صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہے۔

۳۔ الصحابۃ کلھم عدول۔ تمام صحابہ عادل ہیں۔ اس کلیہ سے عام مسلمان بھی آشنا ہیں۔ لہٰذا کبھی کسی عالم و محدث کو صحابی کی روایت کو اس لئے رد کرنے کی جسارت نہیں ہوئی کہ وہ خود شریک واقعہ نہیں نہ کسی شریک واقعہ سے اپنا سننا بیان کیا یہ تجربہ صرف یہیں دیکھنے میں آیا۔

۴۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں "حضرت ابو موسیٰ[۱] اشعری نے یا تو خود نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سنا جب تو کیا کہنا؟ انتہائے سند ہے۔ یا بعض کبار صحابہ سے معلوم کیا۔ یا یہ واقعہ عہد رسالت و عہد صحابہ میں مشہور و معروف تھا حضرت ابو موسیٰ نے بطور استفاضہ اسے لیا[۲]" علامہ سخاوی یہ سب اسی لئے بیان کر رہے ہیں کہ صحابی کی روایت کے غلط ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ جب صحیح ہونا متعین ہے تو ان صورتوں میں کسی سے سننے اور اخذ کرنے کی صورت بھی متعین ہے۔ اور بہر صورت مستند و معتبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے فقیہ و مجتہد۔ صحابی کی روایت پر مؤلف کی یہ جرح بالکل ہی لغو اور ناقابل التفات ہے۔

۵۔ اگر اس جرح کو درست مان لیا جائے تو حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اصاغر صحابہ کی سیکڑوں روایتیں بلکہ بعض اکابر صحابہ کی بھی کچھ حدیثیں نامعتبر اور ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔ حدیث کا معمولی طالب علم اور تاریخ و سیر کا ادنیٰ شغف رکھنے والا بھی اس جرح کی قباحت و شناعت اور اسکے مفاسد کا اندازہ آسانی سے کر سکتا ہے۔

اس واقعہ کو حضرت ابو موسیٰ سے ان کے صاحبزادے ابو بکر روایت کرتے ہیں مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں، چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت کچھ شک ہے امام احمد بن حنبل نے تو اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ بنابریں یہ روایت منقطع ہے اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔

۶۔ وہ کتنے رُواۃ ہیں جنہیں ساری دنیا نے ثقہ کہا ہو، اور جن پر اعتراض کرنے والا کوئی نہ پیدا ہوا ہو؟ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کسی راوی کے بارے میں قول راجح کیا ہے؟ اسی لئے شمس الدین ذہبی جیسے عظیم ناقد فن کا یہ قول ہے۔

---

[۱] ابو موسیٰ کنیت ہے جس سے وہ معروف و مشہور ہیں نام عبد اللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[۲] زرقانی علی المواھب۔ ج ۱ ص ۱۹۴ طبع اول مطبع ازہری مصر ۱۳۲۵ھ

لم یجتمع اثنان من علماء ھذا الشان علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقۃ۔

علماء نقد رجال میں سے دو عالم بھی کسی ضعیف کی توثیق اور کسی ثقہ کی تضعیف پر متفق نہیں۔

۷۔ ابوبکر بن ابی موسیٰ کی ثقاہت کا مسلم ہونا اس سے ظاہر ہے کہ یہ رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ علامہ ذھبی نے تذھیب التہذیب میں بصراحت ذکر کیا ہے روی عن ابیہ[1] اپنے والد سے انہوں نے روایت کی جس سے معلوم ہوا کہ ان کا سماع ہی راجح ومعتبر ہے عدم سماع والے قول کا اعتبار نہیں۔

۸۔ اپنے والد سے انکی یہی ایک روایت نہیں صحاح ستہ اٹھا کر دیکھئے کہ انہوں نے کتنی روایتیں اپنے والد سے کی ہیں۔ ان روایات کو شافعی المسلک ائمہ بخاری مسلم باب احکام میں استناد کرتے ہوئے نقل کر رہے ہیں۔ حضرات شافعیہ کے نزدیک حدیث مرسل "احکام میں" حجت نہیں اگر ابوبکر کا سماع ان کے والد سے ثابت نہ ہوتا تو ائمہ شافعیہ ان روایات سے استناد نہ کرتے۔

۸۔ صحیح مسلم وابوداؤد ونسائی وابن حبان وطحاوی میں یہ سند ہے:- بدر بن عثمان نا ابوبکر بن ابی موسیٰ عن ابیہ ان سائلاً سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرد علیہ شیئاً حتی امر بلالاً فاقام الفجر حین انشق الفجر الخ

میں نے ایک سند کا پتہ دیدیا۔ مزید تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ کہنے کا موقع نہیں کہ یہاں عن ابیہ کا لفظ ہے۔ اس لئے کہ روایت عنعنہ میں ارسال کی گنجائش جب کہہ سکتے تھے کہ ابوبکر مدلس ہوتے مگر یہ مدلس نہیں۔

۹۔ اندازہ کیجئے کہ ان کو نامعتبر قرار دینے سے صحاح ستہ کی کتنی روایات ساقط الاعتبار ہوجائیں گی۔ افسوس کہ مؤلف کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ ابوبکر رجال صحاح ستہ سے ہیں۔

(۱۳) ابوبکر سے یونس بن اسحٰق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں"، یحیٰی کہتے ہیں کہ ان میں سخت بے پروائی تھی شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا۔ امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور اور ایسی ویسی کہتے ہیں ابوحاتم کی رائے یہ ہے کہ وہ راست گو ہیں لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے، ابوحاکم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہوجاتا تھا۔

(۱۰) یہ ہے تحقیق نو کا کرشمہ۔ ان عجائب وغرائب کی کہاں تک تردید کیجائے "تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں، بالکل اخباری زبان وبیان ہے۔" ان میں سخت بے پروائی تھی"۔ کیا تھی۔ کچھ پتہ نہیں "شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا" جناب مطلقاً تدلیس ایسا کوئی امر نہیں جس سے راوی کی ثقاہت پامال ہوجائے۔ یہ دیکھئے کہ صحیحین میں کتنے مدلس ہیں مثلاً قتادہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق، ولید بن مسلم، سلیمان اعمش۔ تو کیا صحیحین میں ان حضرات کی جتنی روایتیں ہیں سب ساقط الاعتبار قرار دی جائیں گے؟ رد وقبول کا آخر کوئی معیار بھی مقرر ہے یا نہیں؟ اگر یونس اپنے باپ سے روایت میں تدلیس کرتے ہیں تو اس کا تقاضا یہ کہاں ہے کہ ابوبکر سے بھی ان کی روایت کو پایۂ اعتبار سے ساقط گردانا جائے۔ روایتوں میں وہم ہوجانا بھی ایسا عیب نہیں جس کی بنا پر راوی غیر معتبر ہوجائے دیکھئے کہ رجال صحیحین میں کتنے حضرات ہیں جن کے وہم کی صراحت ہے مگر وہ بالاتفاق ثقہ ومعتبر ہیں۔ چند حضرات کے

[1] تہذیب التہذیب علامہ ابن حجر عسقلانی ج ۱۲ ص ۴۱

نام سنئے (۱) ابراہیم بن یوسف بن اسحق، (۲) اسامہ بن زید اللیثی (۳) اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن اسدی (۴) ایمن بن نابل (۵) جابر بن عمرو (۶) جبیر بن نوف (۷) حاتم بن اسمٰعیل (۸) حرب بن ابی العالیہ (۹) حرمی بن عمارہ (۱۰) حزم بن ابی حزم (۱۱) عطاء بن ابی مسلم صدوق یہم کثیراً (۱۲) احمد بن بشیر (۱۳) حسن بن خلف (۱۴) ھشام بن سعد۔ صدوق لہ اوہام ورمی بالتشیع (۱۵) احمد بن ابی الطیب وغیرہ صدوق لہ اغلاط (دیکھئے میزان وتہذیب) [1]

(۱۱) حق یہ ہے کہ یونس بن ابی اسحق ثقہ ہیں۔ ابن معین نے ان کو ثقہ کہا۔ امام بخاری نے جزء القراءۃ خلف الامام میں ان سے استناد کیا۔ امام مسلم نے صحیح میں ان سے روایت کی۔ اور یوں ہی وہ سنن اربعہ کے رجال سے بھی ہیں [2]

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن عزوان ہے جس کا نام مستدرک اور ابونعیم میں ابونوح قرار ہے اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے، ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے۔ اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابوبکر نے بلال کو آپ کے ساتھ کر دیا حالانکہ حضرت ابوبکر اس وقت بچے تھے۔ اور حضرت بلال پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۱۲) خود مؤلف کو یہ تسلیم ہے کہ ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ مگر نشتر تنقید میں سب کچھ نقل کرتے جارہے ہیں اور یہ خبر نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ جناب عالی نے یونس کے متعلق یہ فرمایا کہ گو متعدد محدثین نے ان کو ثقہ کہا ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں اس لحاظ سے یہاں لکھنا چاہیئے تھا کہ "گو کچھ لوگوں نے ان پر جرح کی ہے تاہم عام محدثین کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں" کیونکہ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں کرتے ابن معین نے ان کے بارے میں کہا صالح لیس بہ باس۔ صالح ہیں ان میں کوئی عیب نہیں، ابو حاتم نے کہا صالح ہیں۔ ابن مدینی، ابن کثیر، یعقوب بن شیبہ نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا [3] تقریب التہذیب میں ان کے متعلق یہی فیصلہ لکھا کہ ثقۃ لہ افراد (مات ۱۸۷ھ) [4]

۱۳۔ حدیہ ہے کہ مولف نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہ فرمائی کہ یہ صرف ابوداؤد، ترمذی نسائی، ہی کے رجال سے نہیں بلکہ رجال صحیح بخاری بھی ہیں۔

(۱۴) علامہ ذہبی نے جو کہا کہ اس روایت کی بعض باتیں غلط ہیں۔ تو وہ غلطی یہی ہے کہ حضرت بلال کی شرکت کا اس میں ذکر ہے اگرچہ حضرت بلال اس واقعہ میں شریک نہیں مگر علامہ ذہبی کا یہ فرمانا کہ وہ اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے محل نظر تھے علماء نے ان کا یہ قول رد کر دیا ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں بیان کیا ہے کہ حضرت بلال صدیق اکبر کے ہم عمر تھے [5]

۱۵۔ باوجود اس غلطی کے صرف علامہ ابن حجر اور امام سخاوی وغیرہ علماء ہی کے نہیں بلکہ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ ابن قیم نے بھی یہ کہا ہے کہ حضرت بلال کی شرکت صحیح نہیں مسند بزار میں بغیر شرکت بلال ذکر ہے۔ اور صرف یہ ہے کہ ایک شخص کو بھیجا گیا۔ واقعہ البتہ صحیح ہے صرف ذہبی اگر اسکو معتبر نہیں مانتے تو جملہ محدثین کے مقابلہ میں تنہا ان کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۲۲ و ۲۲۶ مطبوعہ دہلی، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۳۴
[3] تہذیب التہذیب ص ۲۴۹ ج ۶ [4] تقریب التہذیب ص ۲۰۸

(۱۶) عبدالرحمٰن بن غزوان پر سب سے
زبردست بہتان یہ ہے کہ ممالیک والی جھوٹی
حدیث روایت کی جلد اول میں ہے ممالیک
کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ
اور موضوع خیال کرتے ہیں [1]

اس بہتان کی پردہ دری ضروری ہے
ممالیک والی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث
ہے عبدالرحمٰن بن غزوان سے اسکی سند
میں غلطی ہوئی کہ انہوں نے مالک عن الزہری
کہا یوں ہی لیث کی سند میں بھی ان سے
غلطی ہوئی دار قطنی فرماتے ہیں۔

والصواب عن اللیث ماحدثنا به
بحر بن نصر من کتابه ثنا ابن وهب اخبرنی
اللیث عن زیاد بن عجلان عن زیاد مولی بن عیاش قال۔
أتی رجل فجلس بین یدی رسول الله
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال
یارسول الله ان لی مملوکین یکذبوننی
ویخونوننی ویعصوننی واضربهم اسبهم
فکیف انا منهم؟ فقال له رسول الله
صلی الله علیه وسلم یحسب ماخانوک
وعصوک وکذبوک وعتابك ایاهم
الحدیث

ایک شخص آکر رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا
پھر عرض کیا۔ یارسول اللہ میرے
کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ
بولتے ہیں۔ میری خیانت کرتے
ہیں۔ میری بات نہیں مانتے ہیں
اور میں انہیں مارتا، گالی دیتا
ہوں تو ان کے ساتھ میرا یہ عمل
کیسا ہے رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی
خیانت، نافرمانی، دروغ گوئی،
اور تمہارے ان کو سزا دینے
کا حساب کیا جائے گا۔ الحدیث

ظاہر ہے کہ یہ حدیث عقل ونقل کے
ذرا بھی خلاف نہیں نہ ہی اس کی سند بے
اعتبار ہے پھر بھلا کوئی محدث اسے موضوع
اور جھوٹی کیسے کہہ سکتا ہے؟ معلوم نہیں
کہاں سے ان حضرات نے سمجھ لیا کہ محدثین
اس حدیث کو غلط اور جھوٹی سمجھتے ہیں۔ یا
پھر دیدہ ودانستہ عبدالرحمٰن بن غزوان
پر بہتان تراشتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے
کہ کسی بے گناہ پر ناکردہ گناہ کے بہتان کا
عذاب کیا ہے؟ نہ ہی یہ سوچتے ہیں کہ اتنی
سخت جرح اپنی طرف سے انکی طرف منسوب
کردی جائے گی تو عیسائی اور مسلمان یہ
سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ امام بخاری نے
جھوٹی حدیث روایت کرنے والوں کی حدیثیں
اپنی صحیح میں درج کی ہیں۔ لہٰذا صحیح بخاری
کا بھی کچھ زیادہ اعتبار نہیں۔

(۷) جلد اول میں ہے:۔ حافظ
ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں
کہ اس روایت کے تمام رواۃ
قابل سند ہیں۔ عبدالرحمٰن بن
غزوان کی نسبت خود ان ہی
حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب
میں لکھا ہے کہ وہ خطا کرتا تھا۔
اسکی طرف سے اس وجہ سے
شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے
ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔
(شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۱)

ان کی خطا کی حقیقت کیا ہے وہ بیان
ہو چکی بہرحال وہ خطا ہی ہے کوئی بالقصد
جرم نہیں معاذاللہ وضع حدیث سے تو
اسے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اب آپ کو
کیسے سمجھایا جائے کہ اس طرح کی خطا سے
کوئی راوی غیر ثقہ نہیں ہو جاتا۔ آپ نے
تہذیب التہذیب میں "خطا کرتا تھا" صرف
ان ہی کے متعلق کیوں دیکھا؟ رجال بخاری
ومسلم میں کتنے ہیں جن کے متعلق میزان و
تہذیب ہی بلکہ تقریب التہذیب میں بھی
یہی ملے گا [2] مگر اس کے باوجود وہ ثقہ
اور مسلم الثبوت ہیں۔ اگر صحیحین کو بھی رد
کرنے [illegible] ہے تو سنئے چند نام:۔ ۱۔
اسمٰعیل بن مجالد ۲۔ اشہل بن حاتم ۳۔ بشر
بن عبیس ۴۔ حارث بن عبید ۵۔ حبیب بن
ابی حبیب ۶۔ حجاج بن ابی زینب، ۷ حسان
بن ابراہیم ۸ حسان بن حسان بصری ۹ حسان
بن عبداللہ کندی ۱۰ حسن بن بشیر بن مسلم
۱۱ حسن بن ذکوان۔ ورمی بالقدر ۱۲ خالد بن

---

[1] شبلی نعمانی سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۱ طبع چہارم اعظم گڈھ، [2] میزان وتہذیب وغیرہ مبسوط کتابوں میں تفصیلاً ہر طرح کے اقوال نقل ہوتے ہیں مگر تقریب التہذیب میں علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی وہ ذکر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قول فیصل ہوتا ہے۔

خداش ۱۳۔ خالد بن عبد الرحمٰن السلمی ۱۴۔ شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر ۱۵۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار ۱۶۔ عبد المجید بن عبد العزیز ۱۷۔ مسکین بن بکیر ۱۸۔ معقل بن عبد اللہ۔ سب کے متعلق ہے کہ "خطا کرتے" صدوق یخطی ۱۹۔ حجاج بن ارطاۃ۔ کثیر الخطاء والتدلیس ۲۰۔ شریک بن عبد اللہ النخعی۔ صدوق یخطی کثیر التغیر حفظہ ۲۱۔ صالح بن رستم المزنی۔ صدوق کثیر الخطاء ۲۲۔ عبد اللہ بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ وکانت فیہ غفلۃ ۲۳۔ فلیح بن سلیمان۔ صدوق کثیر الخطاء۔ ۲۴۔ مطر الوراق۔ صدوق کثیر الخطاء، وحدیثہ عن عطاء ضعیف ۲۵۔ نعیم بن حماد۔ صدوق یخطی کثیرا[1] ان تمام حضرات کے متعلق ذکر خطا کے ساتھ صرف صدوق کہا گیا۔ صدوق کا درجہ ثقہ سے فروتر ہے۔ ثقہ اعلیٰ کلمۂ توثیق ہے۔ علامہ ابن حجر نے عبد الرحمٰن بن عزد ان کے متعلق اسی تقریب التہذیب میں فرمایا۔ ثقۃ لہا افراد مقصد یہ ہے اگرچہ یہ بھی رجال بخاری سے ہیں مگر ان میں سے کتنوں سے اعلیٰ تر ہیں مگر تشنۂ تنقید کا کیا علاج؟ ۱۸۔ حقیقت امر یہ ہے کہ وہم وخطا جب تک فاحش نہ ہوں موجب رد نہیں وہ بھی باب احکام میں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اسے ضعیف کر دیتا ہے نہ اسکی حدیث کو مردود۔ ورنہ وہ کتنے ہیں جو بالکل پاک صاف گزر گئے۔ یہ ہیں تمام محدثین کے امام الائمہ سفیان بن عیینہ جنہوں نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی۔ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہوا کہ زہری سے روایت میں ثابت تر کون ہے؟ علی نے کہا سفیان بن عیینہ۔ میں نے کہا:۔ امام مالک کہ ان کی خطا سفیان کی خطاؤں سے کم ہے۔ قریب بیس حدیثوں کے ہیں جن میں سفیان نے خطا کی پھر میں نے اٹھارہ گنا دیں۔ اور ان سے کہا آپ مالک کی خطائیں بتائیں۔ وہ دو تین حدیثیں لائے پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیان نے بیس سے زائد حدیثوں میں خطا کی ہے ذکرہٗ فی المیزان۔ بااین ہمہ امام سفیان کے ثقہ، ثبت، حجت ہونے پر علمائے امت کا اجماع ہے[2]

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے" حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں اس لئے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کئے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔

(سلیمان ندوی۔ سیرۃ النبی سوم۔ طبع چہارم ص ۷۶۳-۷۶۴)

(۱۹) اسی کو کہتے ہیں توجیہ کلام القائل بما لا یرضی بہ القائل۔ (کسی کے کلام کا ایسا مطلب بتانا جو قائل کی مرضی کے برخلاف ہو)۔ امام سیوطی نے امام بیہقی کے مشہور فرمانے کا ہرگز یہ مطلب نہ سمجھا کہ وہ اس کے ضعف کے قائل ہیں۔ امام بیہقی نے دلائل میں بطریق صحیح اس واقعہ کی تخریج فرمائی ہے پھر اسکے مشہور ہونے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درجۂ صحت سے بڑھ کر مرتبۂ شہرت تک پہونچ چکا ہے۔ کسی واقعہ کا اہل سیر میں مشہور ہونا صحت پر بہت فوقیت رکھتا ہے۔ دیکھئے کہ ۱۲ ربیع الاول کو سرکار کی ولادت ہونے کو تمام ارباب سیر محض شہرت کی بنا پر جملہ روایات وحسابات پر مقدم ذکر کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے جو ریاضی میں بھی یکتائے زمانہ تھے از روئے حساب ایک تاریخ کی تعین کرنے کے باوجود روایت مشہور پر اعتماد کیا ہے کیونکہ ہمارا حساب تو صحیح ایام مشہور کے لحاظ سے ہوگا اور ارباب جاہلیت مہینوں کی تقدیم وتاخیر کر لیا کرتے تھے جبھی توحجۃ الوداع میں سرکار نے ارشاد

---

[1] تقریب التہذیب فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۲۱ - ۲۲۲ ملخصاً مطبوعہ دہلی

[2] امام احمد رضا قادری:۔ فتاوی رضویہ دوم ص ۲۲۵ مطبوعہ دہلی

فرمایا آج تاریخ و یوم گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ لہٰذا واقع اور شمار میں وقتِ ولادت جو تاریخ و یوم تھا ضروری نہیں کہ حساب اس کی موافقت کر جائے پھر قمری تاریخوں سے حساب کی مطابقت بے حد مشکل و بعید ہے۔ غرض حکم شہرت سے حکم ضعف سمجھ لینا کج فہمی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے آج کل کے اربابِ تحقیق اس طرح کی اصطلاح ایجاد کر بیٹھے ہوں۔ مگر جب کوئی مورخ و محدث بلا تنقید کسی واقعہ کو مشہور بتاتا ہے تو وہ اسے اعلیٰ درجہ کا معتبر شمار کرتا ہے۔

۲۰۔ امام جلال الدین سیوطی نے وہیں ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں اس کے بعض واقعات باطل سمجھتا ہوں پھر اس کا رد علامہ ابن حجر سے نقل کرتے ہیں کہ روایت اعلیٰ درجۂ صحت پر ہے لہٰذا اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ "حضرت بلال کو حضرت ابوبکر نے بھیجا" یہ کسی راوی کا وہم ہے پھر علامہ سیوطی اس کی صحت و شہرت کے ثبوت میں متعدد سندیں نقل کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ ان میں "کوئی بھی محفوظ نہیں" تو اس کا کیا شکوہ۔ جب وہ رواۃ بخاری جن کی صحت و مقبولیت پر اجماع ہے محفوظ نہیں اور رواۃ بخاری سے مروی حدیث محفوظ نہ رہی اور سب کو بے باکانہ اپنی جرح نامعتبر کا نشانہ بنا دیا گیا تو دیگر رواۃ و اسانید کا کیا شمار؟ ہم نے قصہ بحیرا سے متعلق سند پر بیس وجوہ سے کلام کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ مؤلفانِ سیرۃ النبی کی تنقیدیں صریح خیانتوں پر مشتمل ہیں جنہیں تسلیم کر لینے کے بعد بخاری و مسلم کسی کی خیر نہیں ہزاروں احادیث باطل و بے کار ہو جائیں گی اور ہزاروں ثقہ رواۃ پایۂ اعتبار سے ساقط ٹھہریں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

(اس کے بعد دیگر روایات پر تنقید وں کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ سابقہ صفحات کی روشنی میں آپ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہم قلت صفحات کی وجہ سے اتنے ہی پر یہاں اکتفا کرتے ہیں)

(ادارہ)

حضرت مولانا ہدایت رسول لکھنوی علیہ الرحمہ

تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں۔

تری الفت میں مر مٹنا شہادت اسکو کہتے ہیں
ترے کوچے میں ہونا دفن جنت اسکو کہتے ہیں

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

رہا مجھ میں بشکل روح پر صورت نہ دکھلائی
اسے کہتے ہیں غربت معیت اس کو کہتے ہیں

نکل بھاگا ترے کوچے کی جانب تیرا دیوانہ
نہ ٹھہرا ایک دم جنت میں وحشت اسکو کہتے ہیں

بہا خوں دست مجنوں سے اگر لی فصد لیلیٰ نے
ہے نام اس کا اور نسبت اس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

تمہارے غیر کے خطرے سے کرنا پاک باطن کو
صنم پیر مغاں غسل طہارت اس کو کہتے ہیں

ولایت ، امتحان دوست میں ثابت قدم رہنا
بلاؤں سے نہ گھبرانا کرامت اس کو کہتے ہیں

جو تجھ میں اور اتو جسمیں پھر اسکا ڈھونڈنا کیا
یہی ہے بحر غفلت جہالت اس کو کہتے ہیں

نظر جلوہ جو آیا معنیٰ طٰلہٰ و یٰسین کا
کہا کھا کر قسم قرآں نے صورت اس کو کہتے ہیں

دکھا کر بارگاہ شاہ اقدس کو مدینے میں
کہوں گا حضرت رضواں سے جنت اسکو کہتے ہیں

بنایا مشرکوں کو عاشق توحید اک دم میں
یہ ہے شان نبوت اور رسالت اسکو کہتے ہیں

ادھر ایما ہوا اسکا ادھر بخشے گئے عاصی
شفاعت اس کو کہتے ہیں وجاہت اسکو کہتے ہیں

زہے طغیاں نہ دریا سے نبی کے پیارے بچوں کو
نہ دی اک بوند پانی کی شقاوت اسکو کہتے ہیں

سگ درگاہ جیلاں مجھ کو حق کردے تو شاہوں سے
کہوں دنیا کے کتو یادشاہت اس کو کہتے ہیں

ترا مفتوں جاں دادہ ترا عاشق تراشیدہ
ترا خادم ترا بندہ ہدایت اس کو کہتے ہیں

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات پر اس کا شکر ادا کیا کرو ارشاد خداوندی ہے۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا واشکروا نعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون (۱۱۴، النحل)

ترجمہ:- پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور طیب ہے اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا۔ اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون ٥ (۱۷: العنکبوت)

ترجمہ:- پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو۔ اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو بھی مختلف دلنشین اسالیب سے بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان میں اور اضافہ کر دے گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو اس کے شدید عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (۷۔ ابراہیم)

ترجمہ:- اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو گے تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو (جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔

المختصر بے شمار آیات ہیں جن میں انعامات الٰہی پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کثیر تعداد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار جھنجھوڑ کر یہ بتایا ہے کہ اگر تم ان نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو ان میں مزید اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور جو کفران نعمت کے مرتکب ہوں گے ان کو ان نعمتوں سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور عذاب الیم کی بھٹی میں جھونک دیا جائے گا۔

پانی ہوا اور روشنی۔ کان، آنکھیں اور دل، صحت، شباب اور خوشحالی۔ یہ سب خداوند ذوالجلال کی نعمتیں ہیں اور ان پر شکر کرنا واجب ہے۔ جب ان فنا ہونے والی نعمتوں پر شکر ادا کرنا لازمی ہے تو خود بتایئے اس رحمت مجسم ہادی اعظم محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور بعثت پر شکر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ کیا اس احسان سے کوئی اور احسان بڑا ہے اس نعمت سے کوئی اور نعمت عظیم ہے جس ذات والاصفات نے بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ اپنے خالق حقیقی کے ساتھ استوار کر دیا، جس نے انسانیت کے بخت خوابیدہ کو بیدار کر دیا جس نے اولاد آدم کے بگڑے ہوئے مقدر کو سنوار دیا، جو کسی خاندان، قبیلے، قوم، ملک اور زمانہ کے لئے رحمت بن کر نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لئے رحمت بن کر برسا جس کی فیض رسانی زمان ومکان کی قیود سے آشنا نہیں، جو ہر تشنہ لب کو معرفت الٰہی کے آب زلال سے سیراب کرنے کے لئے تشریف لایا۔ ہر گم کردہ راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے آیا، ہر کہ ومہ کے لئے جس نے حریم قرب الٰہی کے دروازے کھول دیئے۔ کیا اس نعمت عظمیٰ اور ابدی احسان پر شکر ادا کرنا ہم پر فرض نہیں۔ کیا خداوند کریم کے اس لطف بے پایاں پر اس کا شکر ادا کر کے اس کے وعدہ

کے مطابق ہم اس کی مزید نعمتوں کے مستحق قرار نہیں پائیں گے اور جو اس جلیل القدر انعام پر سپاس گزار نہ ہوگا وہ غضب وعتاب الٰہی کی وعید کا ہدف نہیں بنے گا۔

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد، وہ عظیم المرتبت انعام ہے جس کو منعمِ حقیقی نے اپنی قدرت کی زبان سے خصوصی طور پر علیحدہ ذکر کیا ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ۴، ع۱۶؛ آل عمران)

ترجمہ:- یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں کتاب وحکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

اس انعام کی خصوصی شان یہ ہے کہ دیگر انعامات اپنوں اور بیگانوں، خاص اور عام، مومن اور کافر سب کے لئے ہیں اور اس لطف وکرم سے صرف اہل ایمان کو سرفراز فرمایا۔

غلامانِ مصطفیٰ علیہ اجمل التحیہ واطیب التحیہ ہر زمانہ میں اپنے رب کریم کی اس نعمت کبریٰ کا شکر ادا کرتے آئے ہیں۔ زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے شکر کے انداز گو مختلف تھے لیکن جذبہ تشکر، ہر عمل کا روح رواں رہا اور جو خوش بخت اس نعمت کی قدر وقیمت سے آگاہ ہیں وہ تا ابد اپنی فہم اور استعداد کے مطابق اپنے رحیم وکریم پروردگار کا شکر ادا کرتے رہیں گے۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جب کسی کو کسی انعام سے بہرہ ور کیا جاتا ہے تو اس کا دل مسرت وانبساط کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ میں اس کی نعمت کی جتنی قدر وقیمت اور اہمیت ہوگی اسی نسبت سے اس کی مسرت وانبساط کی کیفیت ہوگی۔ لیکن جس چیز کے ملنے پر خوشی کے جذبات میں تلاطم پیدا نہیں ہوتا تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی اس شخص کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ اگر یہ چیز اسے نہ ملتی تب بھی اسے افسوس نہ ہوتا مل گئی ہے تو اسے کوئی خوشی نہیں شمع جمالِ مصطفوی کے پروانے ایسے قدر ناشناس نہیں۔ نبوت کا ماہِ تمام طلوع ہوا تو ان کی زندگی کے آنگن میں مسرتوں اور شادمانیوں کی چاندنی چٹکنے لگی۔ ان کے دلوں کے غنچے کھل کر شگفتہ پھول بن گئے۔ وہ یہ جانتے ہوئے اور تسلیم کرتے ہوئے کہ وہ اس احسان عظیم پر شکر کا حق ادا نہیں کر سکے پھر بھی وہ اپنی سمجھ کے مطابق بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر میں گر گئے اس کی حمد وثنا کے گیت گانے لگے اور اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن سرمدی پر اپنے دل وجان کو نثار کرنے لگے۔

بعض مدعیانِ علم ودانش، فرزندانِ اسلام کے ان مظاہرِ تشکر ومسرت کو دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان شکر گذار بندوں پر طعن وتشنیع کے تیروں کی موسلادھار بارش شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان حضرات نے کبھی اس فرمانِ الٰہی کا بدقت نظر مطالعہ فرمایا ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمتہ وبذالک فلیفرحوا خیر ایجمعون (۵۸: یونس)

ترجمہ:- اے حبیب! آپ فرمائیے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت سے اور بس چاہیئے کہ اسی پر خوشی منائیں یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہو تو منہ بسور کر نہ بیٹھ جایا کرو اپنی ہانڈیوں کو اوندھا کر دیا کرو جو چراغ جل رہا ہے اس کو بھی نہ بجھا دیا کرو کیونکہ یہ اظہار تشکر نہیں بلکہ کفرانِ نعمت ہے۔ ایسا نہ کرو بلکہ فلیفرحوا خوشی اور مسرت کا مظاہرہ کیا کرو۔ اور یہ بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ اظہارِ مسرت کا کیا طریقہ ہوتا ہے جب دل میں سچی خوشی کے جذبات امڈ کر آتے ہیں تو اپنے ظہور کے لئے وہ خود راستہ پیدا کر لیا کرتے ہیں۔

امتِ اسلامیہ صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ پر اپنے جذباتِ تشکر وامتنان کا اظہار کرتی رہی ہے ہر سال ہر اسلامی ملک کے ہر چھوٹے بڑے گاؤں اور شہر میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان راتوں اور ان دنوں میں ذکر وفکر کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی اور اس کے محبوب مکرم شفیع المذنبین کی شان رفعت ودلربائی

کے تذکرے کئے جاتے ہیں۔ سامعین کو اس دین قیم کے احکامات سے آگاہ کیا جاتا ہے علماء تقریریں کرتے ہیں ادبا مقالے پڑھتے ہیں شعرا اپنے منظوم کلام سے اظہار عقیدت و محبت کرتے ہیں صلوۃ و سلام کی روح پرور صداؤں سے ساری فضا معطر اور منور ہو جاتی ہے۔ اہل خیر کھانے پکاکر غربا و مساکین میں تقسیم کرتے ہیں صدقات خیرات سے ضرورت مندوں کی جھولیاں بھر دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گلشن اسلام میں از سر نو بہار آگئی ہے۔ امام ابو شامہ جو امام نودی شارح صحیح مسلم کے استاذ الحدیث ہیں فرماتے ہیں۔

ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق یوم مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصدقات والمعروف واظہار الزینۃ والسرور فان ذالک مع ما فیہ من الاحسان للفقراء مشعر بمحبتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعظیمہ فی قلب فاعل ذالک وشکر اللہ تعالیٰ علی ما من بہ من ایجاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی ارسلہ رحمۃ للعالمین

(السیرۃ الحلبیہ ص ۸۰ جلد اول)

ہمارے زمانہ میں جو بہترین نیا کام کیا جاتا ہے کہ لوگ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے دن صدقات اور خیرات کرتے ہیں اور اظہار مسرت کے لئے اپنے گھروں اور کوچوں کو آراستہ کرتے ہیں کیونکہ اس میں کئی فائدے ہیں۔ فقراء مساکین کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ ہوتا ہے۔ نیز جو شخص یہ کام کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی محبت اور عظمت کا چراغ ضیاء بار ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا فرما کر اور حضور کو رحمۃ اللعالمین کی خلعت فاخرہ پہنا کر مبعوث فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ جس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

ایک دوسرے محدث امام سخاوی کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ان عمل المولد حدث بعد القرون الثلاثہ ثم لا زال اہل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویعتنون بقرأۃ مولدہ الکریم ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم۔

ترجمہ:۔ کہ موجودہ صورت میں محفل میلاد کا انعقاد قرون ثلاثہ کے بعد شروع ہوا پھر اس وقت سے تمام ملکوں میں اور تمام بڑے شہروں میں اہل اسلام میلاد شریف کی محفلوں کا انعقاد کرتے رہے ہیں اس کی راتوں میں صدقات و خیرات سے فقراء و مساکین کی دلداری کرتے ہیں حضور کی ولادت باسعادت کا واقعہ پڑھ کر حاضرین کو بڑے اہتمام سے سنایا جاتا ہے اور اس عمل کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم کی ان پر بارش کرتا رہتا ہے۔"

ایک تیسرے محدث جو ضعیف احادیث پر تنقید کرنے میں بے رحمی کی حد تک بے باک ہیں یعنی علامہ ابن جوزی (علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی) کی رائے بھی اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال ابن الجوزی من خواصہ انہ امان فی ذلک العام وبشری عاجلۃ بنیل البغیۃ والمرام

ابن جوزی فرماتے ہیں کہ محفل میلاد کی خصوصی برکتوں سے یہ ہے کہ جو اس کو منعقد کرتا ہے اس کی برکت سے سارا سال اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں رہتا ہے اور اپنے مقصد اور مطلوب کے جلدی حصول کے لئے یہ ایک بشارت ہے۔

علما کرام نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ محافل میلاد کے انعقاد کا آغاز کب ہوا اور کس نے کیا۔ امام ابن جوزی ہی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اربل کے بادشاہ الملک المظفر ابو سعید نے اس کا آغاز کیا اور اس زمانہ کے محدث شہیر حافظ ابن دحیہ نے اس مقصد کے لئے ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام "التنویر فی مولد البشیر النذیر" تجویز کیا ملک مظفر کے سامنے جب یہ تصنیف لطیف پیش کی گئی تو اس نے ابن دحیہ کو ایک ہزار اشرفی بطور انعام پیش کی۔ وہ ربیع الاول شریف میں ہر سال محفل میلاد کے انعقاد کا اہتمام کرتا تھا زیرک، دانا، بہادر اور مرد میدان تھا۔ دانشور اور عدل گستر تھا اس کا عہد حکومت کافی طویل ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے ۶۳۰ھ میں

اس حالت میں وفات پائی کہ اس نے مکہ کے شہر میں جہاں حلبیوں نے قبضہ کر رکھا تھا اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس کا ظاہر اور باطن بہت ہی پسندیدہ تھا ابن جوزی کے الفاظ میں آپ اس مرد مومن کی سیرت کا مطالعہ فرمائیے۔

کان شہما شجاعا بطلا عاقلا عادلا وطالت مدتہ فی الملک الی ان مات وھو محاصر ا لفرنج بمدینتہ عکا سنتہ ثلاثین وستمائتہ محمود السیوۃ السریرۃ۔

سبط ابن الجوزی اپنی تصنیف مراۃ الزمان میں اس ضیافت کا ذکر کرتے ہیں جو ملک مظفر، میلاد شریف کے موقع پر کیا کرتا تھا۔ اور جس میں اس زمانہ کے اکابر علماء اور اعاظم صوفیاء شرکت فرمایا کرتے تھے اس ضیافت کا یہ بیان اس آدمی کی زبانی بیان کیا گیا ہے جو خود اس دعوت میں شریک تھا وہ کہتا ہے۔ میں نے بھیڑ بکریوں کے پانچ ہزار سر، دس ہزار مرغیاں اور ایک لاکھ سکورے اور حلوے کے تیس ہزار طشت، خود دیکھے جو علماء و صوفیاء اس ضیافت میں شرکت کرتے ملک مظفر انہیں خلعتیں پہناتا اور میلاد شریف کی اس تقریب پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا۔

علامہ محمد رضا نے اپنی سیرت کی کتاب "محمد رسول اللہ" میں مندرجہ بالا حوالہ جات ذکر کرنے کے بعد ان پر مندرجہ ذیل اضافہ کیا ہے جس کا خلاصہ ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔

جزائر کے سلطان ابو حمو موسیٰ بڑے اہتمام اور اجلال کے ساتھ شب میلاد منایا کرتے تھے جس طرح مغرب کے سلاطین اور اندلس کے خلفاء اس زمانہ میں یا اس سے پہلے اس تقریب سعید کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

سلطان تلمسان کی ایک تقریب میلاد کا آنکھوں دیکھا حال الحافظ سیدی ابو عبد اللہ التنسی نے "راح الارواح" میں تحریر کیا ہے لکھتے ہیں۔

ابو حمو، شب میلاد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کو اپنے دار الحکومت تلمسان میں بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا کرتے تھے جس میں خاص و عام سب لوگ مدعو ہوتے تھے جلسہ گاہ میں ہر طرف قیمتی قالین بچھے ہوئے۔ ان پر گاؤ تکیئے لگے ہوئے اور بڑی بڑی شمعیں جو دور سے ستون کی طرح نظر آتی تھیں اور دستر خوان، انگیٹھیاں جن میں خوشبو سلگ رہی ہوتی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ خالص پگھلا ہوا سونا انڈیلا جا رہا ہے۔ تمام حاضرین کو رنگ برنگے لذیذ کھانے پیش کئے جاتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ موسم بہار کے رنگین پھولوں کے گلدستے ہر مہمان کے سامنے سجا کر رکھ دیئے گئے ہیں ان کی رنگت کو دیکھ کر ان کے کھانے کی خواہش دوبالا ہو جاتی تھی آنکھیں ان کی رنگینی کو دیکھ کر روشن ہوتی تھیں اور بھینی بھینی مہک مشام جان کو معطر کر رہی ہوتی تھی۔

تمام لوگوں کو درجہ بدرجہ بٹھایا جاتا تھا سب حاضرین کے چہروں پر وقار اور احترام کی روشنی چمک رہی ہوتی تھی اس کے بعد بارگاہ رسالت میں ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے لئے مدحیہ قصائد پڑھے جاتے تھے اور ایسے مواعظ اور نصائح کا سلسلہ جاری رہتا تھا جو لوگوں کو گناہوں سے برگشتہ کر کے عبادت و اطاعت کی طرف راغب کرتے تھے یہ سارے کام اس ترتیب سے ہوتے کہ حاضرین کو قطعاً تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا احساس نہ ہوتا۔ اس روح پرور تقریب کے مختلف پروگراموں کو سن کر دلوں کو راحت ہوتی اور نفوس کو مسرت حاصل ہوتی۔ سلطان رضوان اللہ علیہ کے قریب شاہی خزانہ رکھا تھا جس کو ایک رنگ برنگی یمنی چادر سے ڈھانپا ہوا ہوتا۔ رات کے گھنٹوں کے برابر اس میں دروازے ہوتے جب ایک گھنٹہ گزرتا تو اس دروازے پر اتنی چوٹیں لگتیں جتنے بجے ہوتے۔ دروازہ کھلتا اور ایک خادمہ نکلتی جس کے ہاتھ میں انعامات لینے والوں کی فہرست ہوتی سلطان اس کے مطابق انعام تقسیم کرتا اور یہ سلسلہ صبح کی اذان تک جاری رہتا۔ ہمارے یہ سیرت نگار اپنے زمانہ کے حالات بھی لکھتے ہیں کہ مصر میں کس قدر اہتمام سے عید میلاد کا جشن منایا جاتا۔

بعض متشددین، محفل میلاد کے انعقاد کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت بھی وہ جو مذمومہ ہے اور ضلالت ہے۔ بے شک حدیث پاک میں بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے غور طلب امر یہ ہے کہ بدعت کا مفہوم کیا ہے اگر بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جو عہد رسالت میں اور عہد خلافت راشدہ میں نہ تھا اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوا وہ بدعت ہے اور بدعت مذمومہ ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے اور دوزخ کا ایندھن ہے تو پھر اس کی زد صرف محفل میلاد پر ہی نہ پڑے گی بلکہ امت کا کوئی فرد بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے گا۔ یہ علوم جن کے

تدریس کے لئے بڑے بڑے مدارس اور جامعات
اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں اور جن پر کروڑہا
روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے ان علوم میں سے بیشتر
وہ علوم ہیں جن کا خیر القرون میں یا تو نام ونشان
ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس کی موجودہ صورت
کا کہیں وجود نہ تھا۔ صرف نحو، معانی، بلاغت،
اصول، افقہ، اصول، حدیث۔ یہ تمام علوم بعد
کی پیداوار ہیں کیا جن علماء وفضلاء نے انسے
علوم کو مدون کیا اور اپنی گراں قدر زندگیاں
اپنی قیمتی صلاحتیں اوقات ان کو معراج کمال
تک پہنچانے کے لئے اور ان کی نوک پلک
سنوارنے کے لئے صرف کئے کیا وہ سب بدعتی
تھے اور اس بدعت کے ارتکاب کے باعث
وہ سب ان حضرات کے فتویٰ کے مطابق جہنم
کا ایندھن بنے پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام
کے دامن میں کون رہ جاتا ہے جسے جنت کا
مستحق قرار دیا جائے۔ اس طرح علوم قرآنی
وسنت اور فقہ کی تدوین تو خیر القرون میں نہیں
کی گئی تھی یہ بھی بعد میں آنے والے علماء وفضلاء
کی شبانہ روز جگر کاریوں اور کاوشوں کا ثمر ہے
کہ پھر یہ علوم جن کا وجود ہی مجسمہ بدعت ہے،
کی تدریس کے لئے جو جامعات اور یونیورسٹیاں
تعمیر کی گئیں یا اب بھی تعمیر کی جا رہی ہیں اور ان
پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے کیا یہ سب
تعلیمات دین کی خلاف ورزی ہے اور غضب
الٰہی کو دعوت دینے کا باعث ہے۔ یہ عظیم الشان
مسجدیں اور ان کے فلک بوس مینار اور ان
کے مزین محراب عہد رسالت میں کہاں تھے۔ کیا
ان سب کو آپ گرا دینے کا حکم دیں گے۔ کیا
آپ قاطع بدعت کہلانے کے جنون میں اپنے
فوج سے توپیں، ٹینک، بمبار طیارے سب
چھین لیں گے اور اسکے بجائے انہیں تیر کمان
دے کر میدان جنگ میں جھونک دیں گے۔
جو بدعت کی آپ نے تعریف کی ہے وہ تو ان
تمام چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔
کیا اسلام جو دین فطرت ہے اس کی ہمہ گیر
تعلیمات اور اس کی جہاں پرور روح کو آپ
اپنے ذہن کے تنگ زنداں میں بند کرنے کی
ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں
گے۔ ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے
ہیں کہ علماء اسلام نے بدعت کی جو وضاحت اور
تشریح کی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس
قسم کی توہمات سے انسان کو واسطہ ہی نہیں
پڑتا وہ فرماتے ہیں۔ کہ بدعت کی پانچ قسمیں
ہیں۔ واجب۔ مستحب۔ مکروہ۔ مباح۔ حرام

اس نئی چیز میں کوئی مصلحت ہو تو وہ
واجب ہے جیسے علوم صرف ونحو وغیرہا کی
تعلیم وتدریس اور اہل زیغ و باطل کا رد۔
اگرچہ یہ علوم عہد رسالت میں موجود نہ تھے
لیکن قرآن وسنت اور دین کو سمجھنے کے لئے
اب ان کی تعلیم وتدریس واجبات دینیہ میں
سے ہے۔ اسی طرح جو باطل فرقے اس زمانے
میں ظاہر نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں موجود ہوئے
ان کی تردید آج کل کے علماء پر فرض ہے۔

وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی بہتری
اور فائدہ ہے وہ مستحب ہیں جیسے سرائوں
کی تعمیر۔ تاکہ مسافر وہاں آرام سے رات بسر
کر سکیں یا میناروں پر چڑھ کر اذان دینا تاکہ
موذن کی آواز دور دور تک پہنچ سکے یا عام
مدارس کا قیام تاکہ علم کی روشنی ہر سو پھیلے۔ یہ
مستحبات اور مندوبات میں سے ہے۔

مباح:۔ جیسے کھانے پینے میں وسعت
اور فراخی۔ اچھا لباس پہننا۔ آٹا چھان کر استعمال
کرنا۔ یہ مباحات شرعیہ ہیں۔ اگرچہ عہد رسالت
میں ان چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی
ان چھنے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے لیکن
اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ
اس کے لئے مباح ہے۔ بدعت اور گمراہی نہیں
تاکہ اس کو دوزخی ہونے کی یہ حضرات بشارتیں
سنائیں۔

وہ کام جس میں اسراف ہو۔ وہ مکروہ
ہیں اس طرح مساجد اور مصاحف کی غیر ضروری
زیب وزینت

حرام:۔ ایسا فعل جو کسی سنت کے خلاف
ہو اور اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔ لیکن
محفل میلاد کے انعقاد میں نہ کسی سنت ثابتہ
کی خلاف ورزی ہے اور نہ کسی فعل حرام کا
ارتکاب ہے بلکہ یہ نعمت خداوندی پر اس کا
شکر ہے اور شکر ادا کرنا کثیر آیات سے ضروری
ہے اسی طرح آیت فلیفرحوا سے اس فعل و
نعمت خداوندی پر اظہار مسرت کرنا حکم الٰہی
ہے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے معترضین
کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ محفل میلاد
کا انعقاد بے اصل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے
سنت نبوی میں اصل موجود ہے اس ضمن میں
انہوں نے یہ حدیث تحریر فرمائی جو صحیحین میں
موجود ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ
فوجد الیہود یصومون یوم عاشوراء فسئلھم

فقالوا ھو یوم اغرق فیہ فرعون ونجا موسیٰ ونحن نصومہ شکرا فقال نحن اولیٰ بموسیٰ منکم۔

ترجمہ:۔ "کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو پایا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے حضور نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس دن فرعون غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں رحمت عالم نے فرمایا تم سے زیادہ ہم اس بات کے حقدار ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں" (چنانچہ حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی ایک دن کے بجائے دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی)

صحیح بخاری میں ہی یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اسے دی تو اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سن کر اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اگرچہ اس کی موت کفر پر ہوئی اور اس کی مذمت میں پوری سورت نازل ہوئی لیکن میلاد مصطفیٰ پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز تخفیف کی جاتی ہے۔

حافظ الشام شمس الدین مہر بن ناصر نے کیا خوب کہا ہے۔

اذا کان ھٰذا کافرجاء ذمہ
وتبت یداہ فی الجحیم مخلدا
اتی انہ فی یوم الاثنین دائما
یخفف عنہ للسرور باحمدا
وما الظن بالعبد الذی کان عمرہٗ
باحمد امسرورا ومات موحدا

ترجمہ:۔ جب کہ ایک کافر جس کی مذمت میں پوری "تبت یدا" نازل ہوئی اور جو تا ابد جہنم میں رہے گا۔ اس کے بارے میں ہے کہ حضور کی ولادت پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے تو تمہارا کیا خیال ہے اس بندے کے بارے میں جو زندگی بھر احمد مجتبیٰ کی ولادت باسعادت پر خوشی مناتا رہا اور کلمہ توحید پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا۔"

اس لئے ہم بصد ادب اور ازراہ جذبہ خیر اندیشی ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس تشدد کو ترک کر دیں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ولادت باسعادت سب امتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان احسان ہے۔ آیئے اس روز مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا کریں سب مل کر اس کی تسبیح و تہلیل کے نغمے الاپا کریں اظہار مسرت کے ہر جائز طریقہ کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بروئے کار لائیں۔ ایسی محفلوں کا انعقاد کریں جن میں امت مصطفویہ کے افراد جمع ہوں اور ان کے علماء اور حکماء تعلیمات محمدیہ سے انہیں آگاہ کریں اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ جمال و کمال میں عقیدت و محبت سے صلوٰۃ وسلام کے رنگین پھول پیش کیا کریں۔ نیز یہ اہتمام بہرحال ملحوظ خاطر رہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس میں کسی فرمان الٰہی کی نافرمانی ہو یا سنت نبویہ کی خلاف ورزی ہو۔

اس سلسلہ میں ہم سب متفق ہیں اور ہمارا غیر مشروط تعاون ان مصلحین امت کو میسر ہے گا جو اس نیک مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔

ولادت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ابدی مسرتوں اور سچی خوشیوں کی پیغامبر بن کر آئی تھی جس سے کائنات کی ہر چیز شاداں و فرحاں تھی۔ فرشتے شکر ایزدی بجا رہے تھے۔ عرش اور فرش میں بہار کا سماں تھا۔ لیکن ایک ذات تھی جو فریاد کناں تھی۔ جو مصروف آہ و فغاں تھی جو چیخ چلا رہی تھی۔ اور اپنی بدبختی اور حرماں نصیبی پر اشک فشاں تھی اور وہ ملعون ابلیس کی ذات تھی۔

علامہ ابوالقاسم سہیل لکھتے ہیں۔

ان ابلیس لعنۃ اللہ ان اربع رنات۔ رنہ حین لعن ورنہ حیط اھبط ورنہ حین ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورنہ حین انزلت فاتحۃ الکتاب قال والمرفین والنخار من عمل اشیطان۔

ترجمہ:۔ ابلیس ملعون زندگی میں
چار مرتبہ چیخ مار کر رویا پہلی مرتبہ
جب اس کو ملعون قرار دیا گیا
دوسری مرتبہ جب اسے بلندی
سے پستی کی طرف دھکیل دیا گیا
تیسری مرتبہ جب سرکار عالم کی
ولادت باسعادت ہوئی چوتھی
مرتبہ جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔
علامہ ابن کثیر نے بھی علامہ سہیل
کی اس عبارت کو السیرۃ النبویہ
میں جوں کا توں نقل کیا ہے۔ اور
ابن سید الناس نے "عیون الاثر"
میں بھی اس روایت کو بعینہ درج
کیا ہے ص، ۲ جلد اول

عن عکرمہ ان ابلیس لما ولد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورأی تسا
قط النجوم وقال لجنودہ قد ولد اللیلۃ ولد
یفسد امرنا فقال لہ جنودہ لو ذھبت فجننتہ
فلما دنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بعث اللہ جبریل فرکضہ برجلہ رکضۃ
دقع بعدن۔

ترجمہ:۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ جس
روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی
تو ابلیس نے دیکھا کہ آسمان سے تارے
گر رہے ہیں۔ اس نے اپنے لشکریوں
کو کہا کہ آج وہ پیدا ہوا ہے جو
ہمارے نظام کو درہم برہم کر دے
گا۔ اس کے لشکریوں نے اسے کہا
کہ تم اس کے نزدیک جاؤ اور اسے
چھو کر جنون میں مبتلا کردو جب
وہ اس نیت سے حضور کے قریب
پہنچا تو حضرت جبرئیل نے
پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور اسے
دور عدن میں پھینک دیا۔

محترمہ محفوظ آدم عزیزی

پیغمبر اعظم کا جلوۂ جہاں آرا کلام رضا کے آئینہ میں

امام احمد رضا قدس سرہ کے نعتیہ کلام کی پوری دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ گلشن ہستی کی اولین فصل بہار محبوب رب العالمین کے مقدس سراپا کی کتنی حسین تصویر کھینچی ہے۔ عشق و سرمستی میں ڈوب کر آپ بھی پڑھئے۔

قد مبارک
تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیا کہ چمن میں سرو چماں نہیں

چہرہ مبارک
ہے کلام الٰہی میں شمس الضحیٰ ترے چہرہ نور فضا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

رخسار مبارک
جسکے آگے چراغ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

لب مبارک
سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

پیشانی
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارہ نور کا

دندان مبارک
سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

بینی مبارک
بینی پر نور پر رخشاں ہے بکہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

دہن مبارک
وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

زبان مبارک
تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

ابرو مبارک
اشارہ کر دیں اگر وہ کمانی ابرو
ہمارا تیر دعا پھر کبھی خطا نہ کرے

چشمان مبارک
سر عرش پر ہے تری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

قرآن اور شمائل پیغمبر اعظم

پروفیسر طاہر القادری

آیت والنجم میں نور مجسم کا بیان:-

سورۂ والنجم میں اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن ستارہ کہہ کر قسم کھائی ہے — ارشاد ہوتا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى[1] قسم ہے روشن ستارے کی جب وہ اترا۔

یہاں النجم سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے

علامہ آلوسی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قال جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ النجم هو النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج[2]

"النجم سے ذات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہوی سے آپ کا معراج سے واپس تشریف لانا مراد ہے"۔

ھوٰی کا معنی چونکہ نزول کے علاوہ عروج و صعود بھی ہے۔ لہٰذا علامہ فرماتے ہیں۔

جوز علی هذا ان یراد بهویہ صعودہ وعروجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی منقطع الاین[1]

"النجم سے آپ کی ذات اقدس اور ہوی سے آپ کا لامکاں تک تشریف لے جانا مراد ہے"

یعنی لفظ ہوی میں آپ کے جانے اور آنے دونوں کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے ذوق کے مطابق امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے قول پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان ارید بالنجم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبهویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج فوجہ مناسبۃ ان نزول محمد بعد عروجہ لهدایۃ الخلق نعمۃ جلیلۃ من اللہ تعالیٰ لا نظیر لها[2]

"اگر النجم سے آپ کی ذات اقدس اور ہوی سے آپ کا معراج سے واپس تشریف لانا مراد ہو (جس طرح امام جعفر کا قول ہے) تو اس قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا اتنے عروج کے بعد ہدایت خلق کے لئے واپس تشریف لانا اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت جلیلہ ہے۔ جسکی کوئی مثال نہیں ملتی"۔

یہ بھی مروی ہے کہ نجم سے مراد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے[3]

---

[1] النجم ۵۳: ۱ [2] روح المعانی ۲۷: ۴۵

[1] روح المعانی ۲۷: ۵۰ [2] التفسیر المظہری ۹: ۱۰۳ [3] الشفاء ۱: ۲۱

یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ آیہ کریمہ،

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ [1]

"آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی قسم! اور تم نے کیا جانا کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے وہ خوب چمکتا ہوا ستارہ ہے۔"

میں بھی النجم سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ کی تفسیر میں امام ابن عطا فرماتے ہیں۔

الفجر محمد صلی اللہ علیہ وسلم لان منہ تفجر الایمان [2]

"الفجر سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات اقدس ہے کیونکہ آپ ہی ایمان کا اجالا پھوٹ رہا ہے"

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مختلف انداز میں کبھی تمثیل و تشبیہ سے، کبھی رمز و اشارہ سے، کبھی کنایہ و مجاز سے اور کبھی صراحت و وضاحت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سراپا اور نور مجسم کا ذکر کرتا ہے تاکہ آپ کی شخصی عظمت کا پہلو خوب اجاگر ہو۔ اس انداز کو اختیار کرکے قرآن مجید نے عقلی اور تعلیماتی پہلو کے بجائے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالیاتی پہلو کو خوب نمایاں کیا ہے۔ منشاء و مقصود اس کا یہ ہے کہ آپ کے حسن و جمال کے تذکرے سے اہل ایمان کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عشق و محبت کا داعیہ پیدا ہو تاکہ محبوب کی تقلید و اتباع سے مشام جاں لذت و حلاوت کی چاشنی محسوس کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

قرآن مجید میں خدائے ارض و سما نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ [1]

"اے محبوب تمہاری زندگی کی قسم! یہ اپنی (طاقت کے) نشے میں بھٹک رہے ہیں"

قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں۔

قال المفسرون باجمعہم اقسم اللہ ھنا بحیوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریفا لہ [2]

"تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ شرف رفیع کے پیش نظر اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں آپ کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے"

زبور، تورات، انجیل، اور دیگر آسمانی نوشتوں میں کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ پروردگار عالم نے کبھی کسی اور نبی کی پوری زندگی کی یوں قسم کھائی ہو۔ یہ منفرد شریف و فضیلت صرف حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات کو حاصل ہے کہ آپ کی پوری

---

[1] الشفاء ۱، ۲۱، [2] الشفاء ۱، ۲۱،

[1] الحجر ۱۵، ۷۲، [2] احکام القرآن ۳، ۱۱۳۰،

زندگی کو محل قسم قرار دیا جا رہا ہے۔
بیشک یہ عظمت بلا شرکت غیرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی ہے۔
اس ضمن میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔
ماخلق اللہ وما ذرأ ولا برأ نفسا اکرم علیہ من محمد وما سمعت اللہ اقسم بحیاۃ احد غیرہ لے
"اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنی بارگاہ میں مکرم پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی اور کی زندگی کی قسم کھائی ہو"۔
امام قرطبی لکھتے ہیں۔
ھذا نھایۃ التعظیم وغایۃ البر والتشریف ۲ے
"اللہ تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کی پوری زندگی کی قسم اٹھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے"۔
یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ خدا کی ذات اپنے محبوب کی صرف مابعد بعثت زندگی ہی کی قسم نہیں کھاتی۔ بلکہ بعثت سے پہلے اور بعد آپ کی جملہ تریسٹھ سالہ زندگی کی قسم کھائی گئی ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا جانا کہ "تیری ساری زندگی کی قسم" درحقیقت آپ کی حیات مبارکہ کو ہر عیب سے منزہ قرار دینے کے مترادف ہے

مزید فرمایا گیا کہ جو بدبخت آپ کو ساحر و مجنون جیسے نازیبا الفاظ سے پکارتے ہیں خود گمراہی و ضلالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ یہاں واشگاف لفظوں میں یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کی طہارت و عصمت اس قابل ہے کہ خود رب ذوالجلال اس کی قسم کھائے۔ اس میں اعلان نبوت سے قبل بسر ہونے والی زندگی کی عصمت کی بھی واضح شہادت میسر آگئی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اسی دور حیات کو دعوی رسالت کی حقانیت کے لئے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان اقدس سے مخالفین اسلام کو یہ چیلنج فرمایا۔
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ لے
"میں نے اس سے پہلے تم میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ بسر کیا ہے کیا تم میں عقل و شعور نہیں"
اعلان رسالت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کھلی کتاب کی طرح کفار و مشرکین کے سامنے تھی۔ زندگی کے ان چالیس برسوں کو ہر ہر ساعت ان میں گزری انہیں واشگاف لفظوں میں متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اگر اس طویل عرصہ میں انہیں کوئی عیب، سقم، نقص، کمزوری اور خامی نظر نہیں آئی تو کیا یہ اس بات کا بین ثبوت نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام توحید و رسالت حق و راستی پر مبنی ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بلا

لے احکام القرآن لابن العربی ۳، ۱۱۳۰ ۲ے احکام القرآن للقرطبی ۱۰، ۳۹

لے ــــ یونس ۱۰، ۱۶

چون وچرا تسلیم کر لیا جائے، اور اس پر ایمان لایا جائے باری تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا قسم کھانا بے شک شمائل نبوی کا حصہ ہے جس میں لوگوں کے دلوں اور طبیعتوں کو اس حسن سراپا کی طرف محبت سے مائل ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور یہی ہمارا موضوع کلام ہے۔

جس شئی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے وہ بھی اللہ کے ہاں لائق قسم ہے

ذات خدا وندی کو اپنے محبوب سے اس قدر محبت ہے کہ ہر وہ چیز جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہو جاتی ہے وہ بھی اللہ کے ہاں قدر و منزلت کے باعث لائق قسم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ [1]

"قسم ہے والد کی اور قسم ہے مولود کی"

یہاں والد کے لفظ کا اطلاق حضرت عبد اللہ سے لے کر حضرت ابراہیم اور حضرت آدم تک آپ کے آباء واجداد میں سے کسی بھی پاک صلب پر کیا جا سکتا ہے جس میں نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم متمکن رہا۔ آیہ کریمہ میں والد کے نام کا ذکر نہ کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ ہر والد کی نسبت مولود سے ہوتی ہے۔ جب تک اولاد نہ ہو والدیت متحقق نہیں ہوتی۔ اس لئے قرآن مجید نے والد کے ذکر کے فوراً بعد "وما ولد" کہہ کر اس عظیم المرتبت مولود کی قسم کھائی ہے جس کا تقدس اس کے آباء واجداد کے لئے ایسے شرف واعزاز کا باعث بنا کہ خود پروردگار عالم ان کی بھی قسم کھا رہا ہے اس قسم میں والد کا عموم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فیضان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حضرت آدم سے لے کر حضرت عبد اللہ تک سب آباء لائق قسم ہو گئے ہیں۔

خوش تر آں شہرے کہ آنجا دلبر است

خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں اس شہر کی بھی قسم کھائی ہے جس کی خاک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں کے تلوؤں کو چھونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ [1]

"مجھے قسم ہے اس شہر کی جس میں تو مقیم ہے"

ذات خداوندی شہر محبوب کی قسم اس لئے کھا رہی ہے کہ وہاں اس کے مبارک قدم لگے ہیں۔ جس طرح ہر مکان کی عزت اس کے مکین کے دم سے ہوتی ہے اس طرح شہر مکہ کو یہ عظمت و رفعت اس لئے نصیب ہوئی کہ وہاں حبیب رب دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اقامت پذیر ہوئے۔

امام خازن فرماتے ہیں

فکانہ عظم حرمۃ مکۃ من اجل انہ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم بہا [2]

"پس اللہ تعالیٰ نے مکہ کی عزت و حرمت اس لئے بڑھا دی ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہیں"

[1] البلد ۹۰، ۳

[1] البلد ۹۰، ۱، ۲ [2] تفسیر الخازن ۷، ۲۰۷

قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر جاں نواز اور اس کے گلی کوچوں کی قسم کا کھایا جانا کوئی شاعری نہیں جسے مبالغہ آرائی پر محمول کیا جاسکے بلکہ کلام الٰہی ہے اور اسی کی تعلیم قرآن کے ذریعہ بندوں کو دی جارہی ہے، لَآ اُقْسِمُ کے کئی معانی ہیں جو علمائے تفسیر نے بیان کئے ہیں۔ انہیں اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ کی پہلی تفسیر

"لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ" کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں قسم نہیں کھاتا مگر اس شہر کی اور صرف اس لئے کھاتا ہوں کہ اس میں مقیم ہے اس مفہوم کی بنیاد اس تفسیری اصول پر ہے کہ "لا" زائدہ ہے۔ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اولاً: قسم کھانے والا قسم کھانے سے اپنی بے نیازی کا اظہار کر رہا ہے۔ یعنی اسے کیا ضرورت ہے کہ قسم کھائے تاکہ جب قسم سے مستغنی ہونے کے باوجود وہ قسم کھائے تو اس قسم کی اہمیت مزید اجاگر ہوجائے۔ اس لئے اس کا فائدہ تاکید قسم کا بھی ہے لہٰذا لا زائدہ سے یہ حقیقت مترشح ہو رہی ہے کہ جب باری تعالیٰ قسم نہیں کھایا کرتا اور وہ یقیناً قسم کھانے سے مستغنی بھی ہے۔ اس کے باوجود وہ اس شہر مکہ کی قسم کھا رہا ہے تو لامحالہ کوئی اتنی بڑی بات ضرور ہوگی۔

بادی النظر میں یہ شہر بھی دوسرے شہروں کی طرح سنگ وخشت سے ہی تعمیر کیا گیا ہے۔ مگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تیرے وہاں سکونت اختیار کرنے سے اسے وہ عظمت، تقدس اور محبوبیت نصیب ہوگئی ہے کہ وہ میرے نزدیک بھی قسم کھائے جانے کے لائق ہوگیا ہے

متعدد کتب سے ثابت ہے کہ حرم مکہ میں بے شمار انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ انبیاء دور دراز علاقوں سے ہزارہا میلوں کی مسافتیں طے کرکے مکہ میں محض اس لئے آئے ہوں گے ان کا مدفن اس زمین پر بنے جسے نبی آخر الزمان کی جائے ولادت اور مسکن ہونے کا شرف حاصل ہونے والا تھا۔ اور انہیں یہ اطلاع بلاشک وشبہہ سابقہ آسمانی کتب اور صحائف سے ملی ہوگی۔ کیونکہ پہلی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور جائے ولادت کے تذکرے موجود تھے۔ ان معروضات سے صرف اسی قدر وضاحت مقصود تھی کہ بے شک شہر مکہ کی عظمت میں کعبہ معظمہ، انبیائے کرام کے مقدس مقابر مقام ابراہیم، مطاف، حجر اسود، صفا ومروہ اور آب زمزم وغیرہ سب کو دخل ہے۔ لیکن ان چیزوں نے شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ کی قسم کے لائق نہیں بنایا۔ "لا" کے ذریعہ یہی واضح کیا گیا ہے کہ ان تمام نسبتوں کے باوجود میں قسم نہیں کھاتا۔ بلکہ ان سب سے قطع نظر میں اس شہر کی قسم صرف اسی لئے کھا رہا ہوں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اسے تیرے قدموں سے نسبت ہوگئی ہے جس کے مقابلے میں باقی سب نسبتیں ماند پڑ گئی ہیں۔ گویا یہ سب کچھ مکہ میں موجود تھی، مگر میں پھر بھی اس شہر کی قسم نہیں کھاتا بلکہ محض صرف اس لئے کھاتا ہوں کہ تو یہاں مقیم ہے

لَآ اُقْسِمُ کی دوسری تفسیر

دوسری تفسیر کی رو سے آیۂ مبارکہ "لا" استفہام انکاری کا ہے۔ جبکہ واؤ حالیہ ہے۔ بنا بریں لَآ اُقْسِمُ کا مفہوم ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شہر کی قسم نہ کھاؤں حالانکہ تو بھی اس میں مقیم

ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس اسلوبِ کلام میں ایک شان استعجاب پائی جاتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تو اس شہر میں مقیم ہو اور میں پھر بھی یہاں کی قسم نہ کھاؤں۔ نہیں نہیں میں تو یہاں کی گرد کے ذرات کی بھی قسم کھاؤں گا۔

لَا اُقْسِمُ کی تیسری تفسیر

حَل اور حلول میں آزادی سے گھومنے پھرنے کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔ جب تو اس کی گلیوں میں خرام ناز کرتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

اقسم اللّٰہ سبحانہ بمکۃ مقیدا بحلولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اظہارا لمزید فضائلہا ۱؎

"یہ جملہ مقسم بہ کے ساتھ بطورِ حال واقع ہوا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے پھرنے کی حالت اور شرط کے ساتھ کھائی ہے۔"

ایک اور مقام پر قرآن مجید اس شہرِ دل نواز کی قسم یوں کھاتا ہے۔

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۲؎

"اس شہرِ امن کی قسم ہے۔"

شہر کی بات تو الگ رہی ذاتِ حق ان حجروں کا ذکر بھی کمالِ شانِ محبت سے کرتی ہے جن میں اس کا محبوب اقامت پذیر ہے۔ قرآن مجید نے ان ناسمجھ لوگوں کو جو اپنے کام سے آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے باہر سے آوازیں دے کر آپ کے آرام میں مخل ہوتے، آداب بارگہ نبوت سکھانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۱؎

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ حجروں کے باہر سے تمہیں آواز دیتے ہیں۔ وہ بے عقل ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ حسنہ کے جس مقام پر تھے اس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے بھی درگزر، تحمل، اور بردباری سے پیش آتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ طرزِ عمل جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سوئے ادب اور بے آرامی کا باعث تھا کب گوارا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا واشگاف الفاظ میں تنبیہ کر دی گئی۔

قرآن میں کسی مقام پر حضور کو محض نام لے کر نہیں پکارا گیا

یہ بات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہیں پکارا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ان کے ناموں سے پکارا جاتا رہا مثلاً

يٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۲؎

اے آدم انہیں اشیاء کے نام بتا دے

يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ۳؎

۱؎ المظہری ۱۰، ۲۶۴ ۲؎ التین ۹۵۔

۱؎ الحجرات ۴۹، ۴ ۲؎ البقرہ ۲، ۳۲ ۳؎ ہود ۱۱، ۴۸

"اے نوح! ہمارے سلام کے ساتھ کشتی سے اترو"

یَا زَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ [1]

"اے ذکریا! ہم آپ کو لڑکے کی بشارت دیتے ہیں"

یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ [2]

"اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لے"

یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ [3]

"اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں میں سے چن لیا ہے"

یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ [4]

"اے عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں"

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے ہوئے باری تعالےٰ نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبتاً اور تشریفاً القابات وخطابات سے یاد فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں یاایہا المزمل کہہ کر پکارا، کہیں یاایہا المدثر کہہ کر، کہیں طٰہٰ اور کہیں یٰسٓ جیسے پیار بھرے شیریں الفاظ میں خطاب فرمایا۔ مثلاً

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا [5]

"اے جھرمٹ والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم"

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ [6]

"اے چادر لپیٹنے والے پیارے اٹھ اور غافلوں کو تنبیہ فرما"

طٰهٰ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى [1]

"طٰہٰ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ"

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ [2]

"یٰسین قسم ہے قرآن حکیم کی بیشک آپ برگزیدہ رسولوں میں سے ہیں"

اِن خطابات میں کتنی مٹھاس اور محبت کی حلاوت ہے۔ ان میں یہ تعلیم بھی ہے کہ افرادِ امت اچھی طرح یہ بات ذہن نشیں کرلیں کہ جب خدا کی ذات خالق ہوکر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خالی نام سے بلانا گوارا نہیں کرتی تو ان کے لئے بدرجہ اتم لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اس بارگاہِ گیتی پناہ میں کبھی بھی ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے پائیں۔ اور اس بارگاہ عالی مرتبت میں ان کا سر ہمیشہ تعظیم سے جھکا رہے۔ اسی لئے قرآن میں باقاعدہ حکم دیا گیا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا [3]

"اس (عظیم) رسول کو اس طرح مت بلاؤ، جس طرح تم ایک دوسرے کو (بلا تکلف) بلاتے ہو"

مگر یہ کیفیت صرف اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ سے والہانہ محبت اور عشق کمال درجے کا ہو۔ اور یہ مقصود بیانِ شمائل سے حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] مریم ۱۹، ۷ [2] مریم ۱۹، ۱۲ [3] الاعراف ۷، ۱۴۴ [4] الاعراف ۳، ۵۵ [5] المزمل ۷۳، ۱-۲ [6] المدثر ۷۴، ۱-۲

[1] طٰہٰ ۲۰، ۱-۲ [2] یٰسین ۳۶، ۱-۳ [3] النور ۲۴، ۶۳

قرآن کے چہرۂ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسم

صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے اعضائے مبارکہ یعنی چہرۂ انور، گیسوئے مبارک اور چشمان مقدس کے ذکر نک سے معمور ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی لہ

"قسم ہے چاشت کی، اور سیاہ رات کی جب وہ چھا جائے۔ تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے روٹھا ہے"

یہاں تشبیہ کے پیرائے میں چاشت کی طرح چمکتے ہوئے چہرۂ زیبا کا ذکر والضحیٰ کہہ کر، اور آپ کے شانوں کو سیاہ رات کی طرح چھوتی ہوئی زلفوں کا ذکر واللیل کہہ کر کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اسی آیت کے تحت اکابرین مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔

بعضے از مفسرین چناں گفتہ اند کہ مراد از ضحیٰ روز ولادت پیغمبر است صلی اللہ علیہ وسلم ومراد از لیل شب معراج است وبعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ روئے پیغمبر است صلی اللہ علیہ وسلم؛ واز لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است وبعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور علمی است کہ آں جناب را دادہ بود وبسبب آں پردہ نشیناں عالم غیب متجلی ومنکشف گشتند ومراد از شب خلق عفو اوست کہ عیوب امت را پوشیدہ وبعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم است یعنی احوال ظاہرہ آں جناب است کہ خلق براں مطلع شد ومراد از شب سرآں جناب یعنی احوال باطن او کہ غیر از علام الغیوب کسے براں مطلع نیست لہ

"بعض مفسرین نے کہا کہ ضحیٰ سے حضور کی ولادت باسعادت کا دن اور لیل سے شب معراج مراد ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ ضحیٰ سے آپ کا رخ زیبا اور لیل سے زلف عنبریں مراد ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ضحیٰ سے مراد وہ نور علم ہے جس کے سبب سے عالم غیب کے مخفی اسرار و رموز بے نقاب ہوئے اور لیل سے مراد آپ کا عفو و درگزر ہے جس نے امت کے عیبوں کو چھپا رکھا ہے۔ بعض بزرگوں کا ارشاد یہ ہے کہ ضحیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری احوال مراد ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور لیل سے مراد آپ کے احوال باطن ہیں، جن کو سوائے رب العزت کے کوئی نہیں جانتا۔"

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن چہرے کی قسم والضحیٰ کہہ کر چاشت کے وقت سے کی نسبت سے کیوں کھائی گئی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ وقت گو سب سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔

لہ ـــــ الضحیٰ ۹۳ـ ۱، ۲، ۳

لہ تفسیر عزیزی عم ـ ۳۱۰

لیکن اس میں تپش کی شدت اور حرارت کی حدت زیادہ نہیں ہوتی۔ گویا والضحیٰ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سراج منیر کی طرح روشن ہے۔ لیکن مشتاقان جمال کے لئے حدت کے بجائے راحت اور سکون جاں کا باعث ہے۔ اور باوجود اس کے کہ چہرۂ اقدس کی روشنی عین شباب پر ہے آنکھیں نہیں چندھیاتیں بلکہ اس مرقع حسن و نور پر نظریں جمائے رکھنے کو جی چاہتا ہے۔

قسم کا پس منظر

یہاں ایک سوال ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ خدائے ذوالجلال کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ تاباں اور گیسوئے سیاہ کی قسم کھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کا جواب سورۂ مبارکہ کے شان نزول پر غور کرنے سے مل جاتا ہے کچھ دنوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ وحی الٰہی حکمت کے باعث منقطع رہا۔ اس پر بعض بدبخت دشمنانِ اسلام نے زبانِ طعن دراز کی اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا (نعوذ باللہ) اس سے روٹھ گیا ہے۔ اس قسم کی طعن آمیز باتیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچیں تو طبیعت میں کچھ ملال کے آثار بتقاضائے بشریت پیدا ہوئے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ایسی کوئی بات آپ کے گمان و خیال میں بھی نہ آسکتی تھی۔ لیکن مخالفین کی بداندیشیوں چہ میگوئیوں اور طعنوں کے اثر سے آپ کے احساسات کا مجروح ہونا تقاضائے فطرت تھا۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی اور تسکین خاطر کے لئے یہ محبت بھرا پیغام بصورت وحی بھیجا تاکہ کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائیوں سے طبع مبارک میں حزن و ملال کی جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے اسے دور کیا جاسکے۔

اغیار کی طعنہ زنی اور ہرزہ سرائی سے خدا کی غیرت محبت جوش میں آگئی اور اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ پاک اور زلفانِ مقدس کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تجھے چھوڑنے اور تجھ سے روٹھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میں تو تیرے رخ تاباں اور گیسوئے عنبریں تک کی قسم کھاتا ہوں کبھی اس قدر پیار کرنے والا بھی اپنے محبوب سے ناراض ہوسکتا ہے۔ ان مٹھاس بھرے کلمات محبت نے دشمنوں کو شرمسار کردیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو تسلی عطا کردی۔

حضور کی چشمان مقدس کا بیان

کلام ربانی میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مبارک آنکھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اپنے حوصلے، اعتماد، ہمت اور عزم و یقین کے باعث اس ارشاد ربانی کا مصداق ٹھہریں۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى [1]

"چشمانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم درماندہ ہوئیں
نہ حد سے آگے بڑھیں"۔

آپ کی بصارت اس درجہ طاقت و وسعت کی حامل تھی کہ شبِ معراج مشاہدۂ حق کے وقت اس میں نہ صرف اضمحلال نہ واقع ہوا بلکہ وہ کمال ہوش کے ساتھ مشاہدہ جمال میں محو رہیں۔

---

[1] ـــــ النجم، ۵۳ - ۱۷

حضرت سہل بن عبداللہ التستری اسی مشاہدہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

لم یرجع رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ شاھد نفسہ والیٰ مشاھدتھا وانما کان مشاھدا ربہ تعالیٰ یشاھد ما یظھر علیہ من الصفات التی اوجبت الثبوت فی ذٰلک المحل [1]

"آپ اپنے رب کے مشاہدہ میں اس طرح مستغرق ہوئے کہ سوائے ذات باری اور صفاتِ الٰہیہ کے کسی طرف متوجہ نہ ہوئے۔"

اس کے علی الرغم حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تجلی الٰہی کی ایک جھلک بھی برداشت نہ کر سکے۔ اور صفاتی تجلی کی انعکاسی شعاع کے اثر سے آپ کا خرمن ہوش جل گیا۔

کسی صاحب نظر نے بصارت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بصارت موسیٰ سے کیا خوبصورت موازنہ کیا ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی،

قرآن آگے چل کر رویتِ آیاتِ الٰہیہ کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال بصارت کا ذکر بایں الفاظ کرتا ہے۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی [2]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

قلبِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال بصارت کے ذکر کے بعد قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کا ذکر بھی کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی [1]

"چشم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی (بلکہ تصدیق کی)۔"

تدریجاً نزول قرآن کی حکمت

قرآن مجید کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یکبارگی نازل نہ ہونا بلکہ ۲۳ سالہ دورِ بعثت میں جبرائیل امین کی وساطت سے رفتہ رفتہ بالعموم تین یا چار آیت کی صورت میں قلب مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے رہنا اپنے اندر کئی حکمتیں رکھتا ہے ان میں سے ایک اہم حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی بھی ہے۔

ارشاد ایزدی ہے۔

کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلًا [2]

"اس طرح ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اس قرآن کو پڑھا (نازل کیا) ہے تاکہ اس سے ہم تمہارے دل کو تقویت دیں۔"

قرآن اگر ایک ہی نشست میں یکبارگی نازل کر دیا جاتا تو لامحالہ باری تعالیٰ کا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] روح المعانی ۲۷، ۵۴ [2] النجم ۵۳، ۱۸،

[1] النجم ۵۳، ۱۱ [2] الفرقان ۲۵، ۳۲،

کے ساتھ پیغام رسانی کا باقاعدہ سلسلہ جو ۲۳ سالوں پر محیط ہے چند ہی لمحات میں مکمل ہو کر ختم ہو جاتا۔ قرآن کو تدریجی مراحل میں حسب ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے جانے کی سب سے بڑی حکمت یہی تھی کہ اس طرح خالق کا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیغام رسانی کا تعلق تسلسل کے ساتھ جاری رہے اور محبوب سے ہم کلامی کا یہ تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون قلب کا باعث ہو۔

"تاکہ ہم آپ کے دل کو مضبوطی عطا کریں" سے پیغام حق کے تدریجی نزول کی یہی حکمت مستفاد ہے۔ کہ یہ عمل ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور کی تقویت کا موجب رہے۔ اس حکمت میں بھی غلبۂ نگاہِ محبت کا ہی دکھائی دیتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا گیا۔

فَنَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ [1]

بیشک جبرائیل نے یہ قرآن اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کیا ہے۔

یہاں بھی نزول قرآن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور کو ہی مورد سخن بنایا گیا ہے۔

قوت قلبِ نبوی اور قرآن

آپ کے قلبِ اطہر کو اللہ رب العزت نے وہ حوصلہ، قوت اور استقامت عطا فرمائی تھی کہ سخت نا مساعد اور کٹھن حالات میں بھی آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آتی تھی۔ گویا آپ عزم و ہمت کا وہ کوہِ گراں تھے جسے حوادث زمانہ کی کوئی باد صرصر راہ عزیمت سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ [1]

ق، قسم ہے قرآن مجید کی۔

ق، حروف مقطعات میں سے ہے جن کے بارے میں حتمیت و قطعیت کے ساتھ سوائے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی آگاہ نہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات دو دوست اپنی گفتگو یا سلسلۂ مراسلت میں بعض الفاظ، اشارات ایسے بھی استعمال کر جاتے ہیں جنہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اس طرح قرآن حکیم میں بھی بعض مقامات پر ایسے حروف و الفاظ آئے ہیں، جنہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ بعض علماء و عرفاء نے اپنی اپنی بساط کے مطابق معارف و علوم کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر حروف مقطعات کے معانی جاننے کی کوشش کی ہے تاہم حتمیت و قطعیت کے ساتھ ان کے مفاہیم تک رسائی غیر رسول کے بس کی بات نہیں۔

قاضی عیاض آیت مذکورہ سے پہلے حرف ق کی شرح و تفسیر "الشفا" میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں ق سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر ہے وہ قلبِ اطہر جس پر قرآن نازل ہوا اور جو اپنی قوت و استقامت کے اعتبار سے بھی زیادہ مستحکم تھا۔ جب یہ بار امانت پہاڑوں اور سمندروں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تو یہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور

[1] البقرہ ۲، ۹۷

[1] ق ۵، ۱

ہی تھا جسے بارگاہ صمدیت سے اس قدر قوت اور طاقت عطا ہوئی تھی کہ ۲۳ سالہ مبارک زندگی کے دوران اس پر قرآن اتارا جاتا رہا۔ لیکن کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا بلکہ قرآن کی بدولت اسے بے پایاں قوت اور طمانیت کا خزینہ بنا دیا گیا۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

قال ابن عطاء اقسم اللّٰہ بقوۃ قلب حبیبہ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم حیث حمل الخطاب والمشاھدۃ ولم یوثر ذلک فیہ لعلو حالہ [1]

"ابن عطا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے جو عین حق کا مشاہدہ اور شرف تکلم حاصل کرنے کے باوجود غشی وغیرہ سے محفوظ رہا۔"

رب العزت کو اپنے محبوب کی مشقت گوارا نہیں خواہ عبادت میں ہی کیوں نہ ہو

حضرت امام ضحاک اور مقاتل سے مروی ہے کہ نزول قرآن کے اولین دور میں آپ ساری ساری رات تلاوت و نماز میں کھڑے کھڑے گزار دیتے یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے۔ کفار نے طعنہ زنی شروع کردی کہ قرآن فقط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں

فلما نزل القرآن علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قام ھو واصحابہ فصلوا فقال کفار قریش ما انزل اللّٰہ ھذا القرآن علی محمد الا لیشقیٰ [1]

"قرآن کے نزول کے بعد آپ اور آپ کے غلام قیام لیل کی صورت میں تلاوت کرتے تو کفار نے کہنا شروع کردیا کہ قرآن ان کو مشقت میں ڈالنے کے لئے ہے۔"

اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

طٰہٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی [2]

"طٰہٰ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے قرآن نازل نہیں کیا۔"

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔

الطاء افتتاح اسمہ طاھر وطیب والھاء اسمہ ھادی [3]

"اللہ پاک نے اس طعن کا جواب دینے کیلئے آپ کے اسمائے طاہر وطیب اور ہادی سے افتتاح فرمایا۔"

بعض علماء نے طٰہٰ کا معنی ان الفاظ میں کیا ہے

یقول لنبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یا طاھرا من الذنوب یا ھادی الخلق الی علام الغیوب [4]

"اے گناہوں سے پاک اور تمام مخلوق کے رہنما یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نازل نہیں کیا گیا۔"

---

[1] روح البیان ۹، ۱۰۰،

[1] القرطبی ۱۱، ۱۶۷ [2] طٰہٰ ۲۰، ۲،۱، [3] القرطبی ۱۱، ۱۶۶ [4] القرطبی ۱۱، ۱۶۶،

قرآن اور شرح صدر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام مشقتوں کے بوجھ ختم کرنے کے لئے آپ کو شرح صدر کی دولت عنایت فرمائی۔

اِرشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ [1]

"کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کے سینۂ اقدس کو کشادہ نہیں بنایا۔ اور ہم نے اتار دیا وہ بوجھ جو آپ کی مبارک پشت کو بوجھل کر رہا تھا"

لفظ "شرح" کی تحقیق کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

شرح الصدر ای بسطہ بنور الٰہی وسکینۃ من جہۃ اللہ وَرُوحٍ منہ [2]

"سینے کا نورِ باری کے جلوؤں سے سکون پانا، اور دل میں فرحت و راحت کا پیدا ہو جانا، شرح صدر کہلاتا ہے"

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں۔

قد یراد بہ تائید النفس بقوۃ قدسیۃ وانوار الٰہیۃ بحیث تکون میدانا لمواکب المعلومات وسماءً لکواکب الملکات وعرشا لانواع التجلیات وفرشا لسوائم الواردات فلا یشغلہ شان عن شان ویستوی لدیہ یکون وکائن وماکان [3]

"شرح صدر سے یہ مراد ہوگا کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوار الٰہی سے اس طرح مزین کر دیا جائے کہ وہ خزائن معلومات کے لئے میدان ملکات اور استعدادوں کے لئے آسمان اور تجلیات کے لئے عرش بن جائے۔ جب کسی کے سینے کو یہ حالت نصیب ہو جاتی ہے تو اس کی دلی کیفیات کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس کے نزدیک مستقبل حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں"۔

آیت مذکورہ میں استفہام تقریری ہے۔ کیونکہ "ہمزہ" انکاری ہے اور "لم" کلمۂ نفی، جب حرف انکار کلمۂ نفی پر وارد ہو تو یہ نفی کی نفی پر دلالت کرتا ہے جس کا نتیجہ اثبات اور تقریر ہے۔ اس لئے اسے استفہام تقریری قرار دیا جائے گا، جس میں تسلیم و اعتراف کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا) کا مفہوم یہ ہوگا کہ بلاشبہ ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ کھول دیا۔ تحقق و تثبت کا۔

اس اصول کو سمجھنے کے لئے سورۂ فیل کا حوالہ دینا خالی از حکمت نہ ہوگا جس میں ارشاد فرمایا گیا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ [1]

"کیا تم نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

وہ واقعہ جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

(بقیہ صفحہ ۱۱۱ پر)

[1] الانشراح ۹۴: ۱، [2] المفردات ۲۵۸ [3] روح المعانی ۱۹۱:۱۰

[1] الفیل ۱۰۵: ۱،

پیغمبر اعظم اور اخوت و مساوات

سید آل احمد رضوی

طلوع اسلام سے قبل اگرچہ انسان بڑا متمدن اور ترقی یافتہ تھا مگر اس کے باوجود انسانیت پامال تھی۔ ذات پات، رنگ و نسل امارت و افلاس اور شرافت و نجابت کے سینکڑوں امتیازات موجود تھے۔ انسان، انسان کی توقیر پر تلا ہوا تھا۔ ایک باپ کی اولاد، بیٹوں اور بیٹیوں میں تفرلق تھی بیٹے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتیں جبکہ بیٹی کو زندہ درگور کر دیا جاتا۔ ایک قبیلہ اور ایک قوم میں امیر باعث صد افتخار تھے لیکن غریب کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی نہیں وہ انسانی حقوق تک سے محروم تھے بقول مورخ ڈینی سن:۔

"تمدن کا سفینہ تباہی کے کنارے آلگا تھا۔ انسانیت پھر سے اسی عہد وحشت و بربریت میں لوٹ چکی تھی جہاں قبیلہ قبیلے کا، گروہ گروہ کا قوم قوم کی بلکہ فرد فرد کا جانی دشمن تھا صورت حال المناکیوں سے پر تھی۔ قدیم قوانین و ضوابط فلسفے و اصول اپنا اثر کھو چکے تھے۔"

دنیا کے تین بڑے مذاہب عسائیت، یہودیت اور ہندومت میں سے عیسائیت نے اپنے آپ پیچیدہ بحثوں میں الجھایا تھا اور وہ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے ان میں سے ہر فرقہ حضرت عیسٰی کی پیدائش و تخلیق کے متعلق مختلف خیال رکھتا تھا۔

یہودیوں کا حال یہ تھا کہ وہ دنیا پرستی میں مبتلا تھے انہوں نے اپنے ہر پیغمبر کی نافرمانی کی ان کے مذہبی رہنماؤں ہی نے اپنی مقدس کتابوں کی غلط تاویلات کیں اگرچہ انھیں یقین تھا کہ ایک نجات دہندہ (پیغمبر) آئے گا لیکن جب حضور ختمی الرسل کا ظہور ہوا تو انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

ہندومت نے ذات پات کو جنم دیا اور اسی طرح معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگیا ان کے ہاں برہمنوں کو باقی تمام ذاتوں پر فوقیت حاصل تھی۔ دنیا بدترین قسم کے مذہبی تشدد کا شکار تھی۔ جو بھی فرقہ برسر اقتدار آتا وہ اپنے مخالف فرقے کو مٹانے کے درپہ رہتا تھا۔ مختصر یہ کہ عرصہ حیات کے ہر گوشے میں اندھیرا تھا اور انسان خوف و حزن کے عالم میں راہ گم کردہ ٹھوکریں کھا رہا تھا اسے اپنی منزل مقصود کا پتہ تھا نہ راہ حیات کا۔ یہ فطری عمل ہے یا قانون الٰہی جب ظلمت شب اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو سپیدہ سحر نمودار ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے ان تمام برائیوں کا خاتمہ کر کے ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرے کی بنیاد رکھی۔ حضور کی تعلیمات کسی خاص طبقے یا خاص علاقہ کے لوگوں تک محدود نہ تھیں بلکہ تمام انسانیت پر محیط ہیں آپ نے ساری انسانیت کو ایک ہی شخص کی نسل قرار دیا اور توحید و رسالت کا تصور دیکر مساوات و اخوت کی بنیاد ڈالی۔ جو آپ سے پہلے ناپید تھی۔ حضور نے انسانوں کی اپنی تخلیق کردہ اونچ نیچ کی تمام تفرلقوں کا خاتمہ کر دیا۔ آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں واضح طور پر فرمایا۔

تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت صرف پرہیزگاری کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیتہ کریمہ تلاوت فرمائی۔

"اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں محض متعارف و پہچان کیلئے منقسم کیا ہے اور اللہ تعالٰی کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ و نسل اور سیادت و افتخار کے تصورات

کی نفی کر دی اور خود اپنی ذات کو بھی اس ہمہ گیر تصور سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا چنانچہ قرآن حکیم میں قل انما انا بشر مثلکم کے الفاظ سے اس کی وضاحت کر دی۔

سرکار دو عالم نے بنی نوع انسان کو رنگ و نسل اور آقا و غلام کی تفریق سے نجات دلا دی اور ایسے اصول وضع کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا سے غلامی کا خاتمہ ممکن تھا اور یہ آپ ہی کی تعلیمات کا اثر ہے کہ رفتہ رفتہ دنیا سے غلامی کا خاتمہ ہو گیا آپ نے عملی طور پر حبشی غلاموں کو اشراف قریش پر فضیلت دی۔ حضرت زید حضرت بلال۔ طیب المطیب کی شخصیتوں کے سامنے بڑے بڑے مسلمان سلاطین اور شہنشاہوں کی شوکت ماند نظر آتی ہے۔ حضور نے مختلف سلطنتوں میں جو وفود بھیجے ان میں اکثر حبشی غلام ہوئے ممتاز مغربی مستشرق فلپ ہٹی کے مطابق۔ والئی مصر یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ شرائط صلح کے لئے جو وفد آیا ہے اس کا رئیس ایک حبشی ہے۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کا قول ہے کہ حضور کی رسالت کا مقصود ہی نسلِ انسانی میں مساوات و اخوت قائم کرنا اور انھیں آزادی و حریت کی نعمت سے مالا مال کرنا تھا۔ ایک غیر مسلم مصنف اون رودٹر، ٹرامفنٹ بلگرمیج صفحہ ۲۳ پر رقمطراز ہے۔ "انسانی اخوت کے بارے میں اسلامی رویہ کے متعلق تھوڑی سی روشنی بھی قابل لحاظ ہے یہ ان لاکھوں انسانوں کے رویہ کی بات ہے جو دولت اور نسل کے اختلاف کو نہایت ہی معمولی سمجھتے ہیں اور جن کا تصور جمہوریت قدیم یونانیوں سے سبقت لے گیا ہے۔

نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں اخوت و مساوات کی روح پھونک کر ان کے باہمی اتفاق و اتحاد کو ایک ابدی صورت عطا کر دی یہ آپ ہی کی تعلیم تھی جس نے ایک دوسرے کو بھائی بھائی بنا دیا۔ قرآن کے ارشادات "انما المومنون اخوۃ (الحجرات) مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (آل عمران) کہ تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے ہمیشہ امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات سے اخوت اسلامی کا مفہوم واضح کیا اس کے تقاضے بیان کئے اور اپنے عمل سے ان تعلیمات کی تعبیر کی اور اہل اسلام کو اخوت و مساوات کی نعمتوں سے مالا مال کر کے ایک مضبوط ترین ملت بنا دیا یہ آپ ہی کی تعلیمات تو ہیں کہ آج پوری ملت اسلامیہ ایک وسیع انسانی برادری میں منسلک ہے۔

سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں مساوات کی شان کو جس طرح قائم رکھا وہ اسوہ نبوی کا بے حد نمایاں پہلو ہے۔ حضور کو رب العزت نے ان الفاظ میں تاکید فرمائی کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں آپ لوگوں سے فرما دیجئے۔

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو میں سنتا ہوں اس لئے ان کو چاہیئے کہ میری بات کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ راہ ہدایت کو پا سکیں۔"

(سورۃ البقرہ)

یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو رنگ و نسل اور آقا و غلام کی تفریق سے اٹھا کر واضح کر دیا کہ اسلام میں کسی کو کوئی برتری حاصل نہیں ہر شخص براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے اور جتنا قرب حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ دوسرے تمام ادیان میں اللہ اور بندوں کے درمیان براہ راست کسی تعلق کی گنجائش نہیں لیکن یہاں تو اللہ خود فرما رہا ہے۔ ترجمہ

تمہارے رب نے کہہ دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔"

مساوات کی یہ عملی تصویر شائد ہی کسی دوسرے مذہب میں دیکھنے میں آئے۔ سر فلپ گبنز (گلوری آف محمد) میں لکھتے ہیں۔

اسلام جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کہلاتا ہے اس نے انسانی تہذیب اور اخلاقیات کی ترقی اور فروغ کے لئے ان تمام مذاہب سے کہیں زیادہ کام کیا ہے جو انسان کی تخلیق سے لیکر اب تک اس کی روح کو گرمانے کا باعث ہوئے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات و اخوت کا درس دیا آپ نے مساوات کے مفہوم کو پوری کائنات کیلئے جس طرح واضح کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے تو اس وقت بھی خدا کا پیغمبر دنیائے انسانیت

کا مکمل اور افضل ترین رہنما اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک عام مزدور کی طرح صحابہ کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں۔ جنگ خندق کے موقع پر دوسرے مسلمان عام سپاہی کی حیثیت میں مدینہ طیبہ کے دفاع میں خندق کھودنے کی مشقت برداشت کر رہے تھے تو ان کا آقا و امیر (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف قیادت اور نگرانی کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا بلکہ بہ نفس نفیس کدال ہاتھ میں لے کر خندق کھودنے میں شریک تھا اور زمین کا جتنا ٹکڑا ایک عام سپاہی کو کھودنے کیلئے دیا گیا تھا اتنا ہی ٹکڑا آپ نے اپنے ذمہ لیا تھا بلکہ بعض سخت مقامات پر آپ نے اپنی کدال سے زمین کو کھودا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی سیدہ فاطمہ طاہرہ ایک خادمہ کے لئے درخواست کرتی ہیں اسوقت حضور کے پاس مال غنیمت بھی تھا اور لونڈیاں بھی موجود تھیں مگر جواب میں فرماتے ہیں! فاطمہ! ابھی اصحاب کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں۔

ایک سفر میں صحابہ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کیلئے سب نے کام بانٹ لیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں جنگل سے لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابہ کو تامل ہوا۔ کسی کو گوارا نہ تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے اللہ کا حبیب جنگل سے لکڑیاں لائے تو آپ نے فرمایا کہ میں کسی امتیاز کو پسند نہیں کرتا۔

موتہ کی مہم تیار کی جاتی ہے تو جناب حضرت زید جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اس کے سپہ سالار مقرر ہوئے ہیں اور جناب جعفر طیار حضور کے چچازاد بھائی عبداللہ بن رواحہ اور حضرت خالد بن ولید آپ کے زیر کمان ہیں حضور رومیوں کے خلاف ایک اور مہم بھیجنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو جناب حضرت زید کے صاحبزادے حضرت اسامہ جو ایک نوخیز نوجوان تھے کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے اور ان کی کمان میں اکابر صحابہ نظر آتے ہیں۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور عمل سے اخوت و مساوات کی عملی تفسیر امت مسلمہ کے سامنے پیش کردی آپ کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں تمام انسان برابر ہیں اور جو اس دین میں داخل ہوگیا وہ اخوت و مساوات کے رشتے میں منسلک ہوگیا آپ نے واضح طور پر فرمایا۔

"ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے" پھر فرمایا۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی وہ اسے ہلاکت میں ڈال کر دوسرے سپرد کر دیتا ہے اور جو بھی اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

حضور سرور کائنات نے تمام امت مسلمہ کو ایک مضبوط عمارت سے تشبیہہ دیتے ہوئے فرمایا مسلمان ایک دوسرے کے لئے ایسے ہیں جیسے ایک عمارت کے مختلف حصے کہ وہ عمارت کو مضبوط کرتے ہیں۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا آئینہ قرار دیتے ہوئے حضور نے فرمایا تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی برائی دکھائی دے تو اس کو دور کردے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کردیا کہ ایک مسلمان کی کیا شان ہونی چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا۔

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں مزید فرمایا۔

کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے کہ دونوں ملیں تو یہ بھی منہ پھیرلے اور وہ بھی منہ پھیرلے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو از خود سلام کرکے ابتداء کرے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے زور دار الفاظ میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔

آپ نے باہمی ایثار و قربانی کا معیار مقرر کرتے ہوئے فرمایا! اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اسوقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

باہمی خلوص اور ایثار کا یہ وہ معیار ہے کہ فکر انسانی اس سے بڑھ کر کوئی معیار خلوص و قربانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ نبی اکرم نے خود عملی مثالیں پیش کیں جن سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

معرکہ بدر کے بعد متعدد اکابر قریش

مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے رات گذر رہی تھی مگر حضور کروٹ پر کروٹ بدلتے ہیں۔ نیند نہیں آرہی ہے ایک انصاری نے اضطراب سے آکر پوچھا تو فرمایا کہ مجھے اپنے چچا عباس کے کراہنے کی آواز آرہی ہے اسلئے اضطراب بڑھ رہا ہے اور نیند نہیں آرہی ہے۔ انصاری یہ سنتے ہی آہستہ سے اٹھے جناب عباس قیدیوں کے ساتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے انصاری نے آپ کی رسی کھولدی۔ جناب عباس راحت ملتے ہی سو گئے۔ آپ نے انصاری سے پوچھا اب عباس کی آواز کیوں نہیں آرہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں ان کے بندھن کھول آیا تھا۔ فرمایا ایسا نہیں جاؤ تمام قیدیوں کے ساتھ یکساں سلوک کرو اور سب کے بندھن کھول دو۔ انصاری نے تعمیل ارشاد کی سب قیدی آزادی ملتے ہی سو گئے اس کے بعد حضور بھی استراحت فرما ہوئے یہ تھی آپ کی مساوات

پیغمبر اخوت و مساوات کے ارشادات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت مسلمہ نے ایسی کامیابیاں حاصل کیں جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش نہیں کر سکتی۔ اگر امت مسلمہ آج بھی حضور کی بتائی ہوئی راہ اپنائے تو یقیناً وہ پھر سے دنیا کی رہنما بن سکتی ہے۔ رب العزت ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی تعلیمات ارشادات اور آپ کے عمل کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیغمبر اعظم پر

آل انڈیا تحریری انعامی مقابلہ

غوثیہ عربی مدرسہ با لور تعلقہ ہانگل ضلع دھارواڑ کرناٹک سرکار سے تسلیم شدہ) کی جانب سے ہوادیب وصحافی وکالجز ، وہائی اسکولس ومدارس اسلامی، طلباء وطالبات کو اطلاع دیجاتی ہے بانی ؑ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین اور اسلام کی صحیح عکاسی کرکے اپنے مضامین سے انعامی مقابلوں میں شریک ہوں، اور تینوں انعاموں میں سے کوئی ایک انعام کے مستحق بنیں۔

اوّل انعام —— ۲۰۱ روپیہ
دوسرا انعام —— ۱۵۱ "
تیسرا انعام —— ۱۰۱ "

:عنوانات:

۱۔ اسلام جدید سائنس کی روشنی میں!
۲۔ بانیٔ اسلام کا آفاقی پیغام!
۳۔ اسلام میں علم دین کی اہمیت کیوں؟
۴۔ صحابہ کا عشق رسول!

:شرائط وتنبیہات:

عنوانات میں کسی ایک پر مضمون قلم بند کریں اصل موضوع پر بحث ہو، مضمون دس صفحوں کا ہو آٹھ صفحوں سے کم نہ ہو، صفحہ ایک طرف ہو، فل اسکیپ کاغذ پر ہو، مضمون کا نقل اپنے پاس رکھیں نام وپتہ ایک الگ کاغذ پر انگریزی میں لکھ کر منسلک کریں، مضمون پانچ ربیع الاوّل تک پہونچ جانا چاہیئے بعد میں آنے والے مضامین قابل التفات نہ ہوں گے انعام ڈاک سے روانہ کیا جائیگا مقابلہ کا اعلان انہیں رسالوں میں کیا جائے گا آپ کے مضمون کو سالانہ تقریری انعامی مقابلے کے وقت پڑھا جائے گا ججوں کا فیصلہ حتمی ہوگا مضامین اس پتہ پر روانہ کریں۔

جمال الدین منڈرگی صدر غوثیہ مدربالور
پوسٹ کلاّ پور تعلقہ ہانگل
ضلع دھارواڑ (کرناٹک)
پن کوڈ ۵۸۱۱۰۲

صاحبزادہ محمد سلیم حماد

موجودہ دور جسے ہم جدید مہذب اور ترقی یافتہ دور کہتے ہوئے نہیں تھکتے دراصل یہ در و دیوار کی وسعتوں، بلندیوں، ظاہری آرائش و زیبائش اور تکلفات کا دور ہے بذات خود انسان حیوانی جذبات اور نفس امارہ کے شکنجے میں ڈھل کر اس قدر پست ہو گیا ہے کہ در و دیوار کی مضبوطی میں اپنی عافیت اور مکر و فریب کو ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ آج کے اس مادہ پرست انسان نے معاشرہ کو سکھ کم اور دکھ زیادہ دیئے ہیں۔ جھونپڑے میں رہنے اور سادہ زندگی گذارنے والا ماضی کا انسان آج کے ترقی یافتہ دور کے انسان سے کہیں زیادہ مطمئن، سکھی اور بلند کردار تھا اور اسی تہی دست انسان انسانی قدروں کی آبیاری کی۔ اس کے برعکس آج کا انسان ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ہونے کے باوجود ان پاکیزہ اقدار کو جو معاشرے کے سکھ چین کا سبب ہیں اس بیدردی سے پامال کر رہا ہے کہ انسانی بھیس میں بھیڑیا معلوم ہوتا ہے جس کے شر سے نہ اپنے محفوظ ہیں نہ بیگانے۔

جہالت، بھوک و افلاس اور بیماری یہ تین ایسے دکھ ہیں جو معاشرہ کو ہمیشہ سے لاحق ہیں۔ کیا اس جدید دور کا مغرور انسان یہ دعوے کر سکتا ہے کہ اس نے ان دکھوں کا خاتمہ یا کوئی مداوا کیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس خطہ ارض کے موجودہ ناخدا جن کے اشاروں پر آج کے شاہ گدا پتلیوں کی طرح ناچتے نظر آتے ہیں، خود ساختہ نظاموں اور مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود دنیا سے جہالت، بھوک اور بیماری کو ختم کرنے میں معذور دکھائی دیتے ہیں۔

انسانی تاریخ میں ایک باب ایسا ہے جسے اسلام کا سنہری دور کہتے ہیں اور یہ دور حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء راشدین کا دور ہے اس زمانہ میں اسلام کے نفوس قدسی جہاں جہاں گئے انسانیت کی تمام آلائشوں کو دھو ڈالا اور ایک سکھی معاشرے کی تشکیل ہوئی۔ اس کے بعد جب اسلام کی منشاء کے خلاف ملوکیت کا دور شروع ہوا اور انسانوں کے درمیان پختہ دیواریں حائل ہوئیں تو پھر معاشرہ انحطاط پذیر ہوا۔ حقیقی انسانی ترقی کا گھڑیال پھر الٹا چلنے لگا اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ انسان نے خود ہی اپنی تباہی و بربادی کا سامان کر لیا ہے بس بٹن دبانے کی دیر ہے۔

محبوب خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم علوم و معارف کا وہ سمندر بیکراں ہیں کہ کوئی شخص بھی ان علوم کے سمندروں میں سے جو خداوند تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے ہیں ایک نقطہ یا قطرہ کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

حضور نبی کریم نے جہاں انسانیت کو بھوک اور جہالت کے گڑھے سے نکالا وہاں آپ نے بیماریوں کا علاج بھی بتایا بیماریوں کا علاج دو طریقوں سے فرمایا (۱) روحانی، (۲) طبی۔

بیمار کی عیادت: ۔حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی بیمار کی عیادت فرماتے تو مریض کے قریب اس کے سرہانے کے پاس بیٹھ جاتے اور حال دریافت فرماتے۔ مریض سے ایسی باتیں کرتے جس سے مریض کا دل خوش ہو۔ طبیعت کو تقویت پہنچے اور اس کی قوت میں بالیدگی پیدا ہو۔ کیونکہ ایسی باتیں مرض کی کمی اور ازالے میں بہت تاثیر رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ مریض کے کرب و پریشانی میں باعث راحت ہوتی ہے۔ حضور مریض کی پیشانی یا سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرماتے اور وضو کا پانی مریض پر چھڑکتے اور اس کو تسلی دیتے کہ بیماری سے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور

میں ڈال لو۔

نمونیہ کا علاج

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم عود ہندی کو بکثرت استعمال کیا کرو کہ اس میں سات بیماریوں کا علاج ہے جن میں نمونیہ بھی شامل ہے۔ (بخاری)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا تم نمونیہ کا علاج عود ہندی اور زیتون کے تیل سے کرو اور طریقہ یہ ہے کہ دوا مریض کے منہ میں انڈیل دی جائے۔ (ترمذی)

قبض کا علاج

حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم جلاب کے لئے کیا چیز استعمال کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا بشرم (یہ ایک پودے کا نام ہے جس کی جڑیں مسہل ہوتی ہیں) فرمایا یہ گرم ہے پھر انہوں نے عرض کیا میں سنا سے بھی مسہل لیتی ہوں حضور نے فرمایا اگر موت کا علاج ہوتا تو توسنا ہوتا۔ آپ اسے کھجور کے ساتھ استعمال فرماتے تھے۔

دستوں کا علاج

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آیا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے بھائی کے پیٹ کے بارے میں شکایت کی اسے دست لگ گئے ہیں۔ فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ اس نے پلایا لیکن مرض بڑھتا گیا۔ اس شخص نے دوبارہ شکایت کی۔ یہاں تک چوتھی مرتبہ بھی آپ نے یہی فرمایا کہ شہد پلاؤ چنانچہ اس نے متواتر تعمیل کی آخر اس کا بھائی تندرست ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا خدا سچا ہے لیکن تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے شہد کے اور بھی بے شمار فائدے ہیں۔

بچوں کے گلے کے درد کا علاج

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے وہاں ایک بچے کو دیکھا جس کے گلے سے خون بہہ رہا تھا دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ اس بچے کے گلے اور سر میں درد ہے۔ آپ نے فرمایا حیف ہے تم ان بچوں کو جان سے مار دوگے جب کسی بچے کو یہ تکلیف ہو تو عود ہندی پانی میں مل کر کے بچوں کو دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر عمل کیا اور وہ بچہ ٹھیک ہو گیا۔

درد سر کا علاج

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد ہوتا تو سر پر مہندی لگا لیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ خدا کے حکم سے یہ علاج بہت مفید ہے۔ بخاری اور ابوداؤد میں ہے کہ جب بھی کوئی شخص آپ سے درد سر کی شکایت کرتا تو آپ فصد کرانے کا مشورہ دیتے جب کوئی آدمی پاؤں کی تکلیف کی شکایت کرتا تو مہندی لگانے کا حکم فرماتے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمیٰ راوی ہیں کہ جب بھی حضور کو کوئی پھوڑا پھنسی نکل آتی تو آپ مجھے حکم دیتے اور میں مہندی لیپ دیتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دفعہ بیماری کے بعد نقاہت محسوس کرتے تھے حضور نے فرمایا۔ ماء الشیعر پیا کرو اس سے قوت بحال ہو جائے گی۔

سرکہ انگوری کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب سے عمدہ خوراک ہے کھانا ہضم کرتا ہے، بدن کی گرمی کو توڑتا ہے ہیضہ متلی، قے اور ضعف معدہ کے لئے فائدہ مند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کلونجی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔

مسواک

حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کو مسواک کرنے کی تلقین فرماتے اور اس کی اہمیت یوں بیان کرتے کہ اس سے روحانی فوائد بھی ہیں اور طبی بھی۔ مسواک کرنے سے صحت اچھی رہے گی معدہ کو تقویت پہنچے گی دماغ صاف اور روشن ہوگا اور بصارت بڑھے گی۔ روحانی فوائد میں ایک یہ کہ جس وضو میں مسواک کی جائے گی اس نماز کا اجر دوسری نمازوں سے ستر گناہ زیادہ ملے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ جب وضو کرتے مسواک ضرور کرتے ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں مجھے مسواک کا حکم دیتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ حضور اتنی مسواک کرتے تھے کہ ہمیں ڈر رہتا کہ حضور کے مسوڑے چھل نہ جائیں۔

جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا علاج بتایا وہاں پرہیز کی تلقین بھی کی۔ مثلاً پیشاب روک کر جماع کرنے سے پرہیز

بندہ پاک وصاف ہوجاتا ہے کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

ٹونے ٹوٹکے

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ٹونے ٹوٹکے سے علاج کیا کرتے تھے۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ! اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ ارشاد ہوا اپنے ٹونے ٹوٹکے میرے سامنے پیش کرو۔ فی الجملہ اس میں شرک نہ ہو تو کوئی حرج نہیں (صحیح مسلم)

نظر بد کا علاج

نظر بد کے علاج کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نظر کا لگنا درست ہے اگر کسی چیز کا وقوع مقرر ہوچکا ہے نظر بد اس پر سبقت لے جاسکتی ہے یعنی نظر بد کا لگنا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ہاں البتہ اس کی تاثیر مشیت ایزدی کے تابع ہے اس بلا سے نجات کے لئے معوذتین کا کثرت سے پڑھنا تجویز فرمایا ہے۔ نیز سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی کی قرادت کا بھی حکم دیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ ایسے موقعوں پر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّ ھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ۔ جب کسی شخص نظر بد کا ڈر ہو تو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْہِ پڑھے۔ نیز نظر بد سے بچنے کے لئے یہ دعا پڑھے۔ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مصیبت سے نجات

امام مسلم، امام مالک اور امام احمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا جس شخص کو کوئی مصیبت پیش آئے یہ الفاظ کہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا اللہ تعالیٰ اسے مصیبت میں اجر دے گا اور تکلیف کے بعد آرام ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہیں کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کرب واندوہ کے موقع پر یہ دعا فرماتے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِیْنَ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ٥

(بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو فرماتے۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِکَ اَسْتَغِیْثُ۔

رزق کی فراوانی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ! مال دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے، ارشاد ہوا کہ تم فرشتوں کی صلوٰۃ اور مخلوق کی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے جس کے طفیل انھیں رزق ملتا ہے تم طلوع فجر کے بعد سو دفعہ پڑھا کرو۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم، استغفر اللہ دنیا خود بخود بھاگتی چلی آئیگی۔ وہ شخص چلا گیا کچھ عرصہ بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! دنیا واپس آگئی ہے اب یہ حالت ہے کہ رکھنے کی جگہ نہیں رہی (خطیب)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن میں سو مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے گا۔ افلاس اس کے پاس نہ آئے گا۔ (ابن ابی الدنیا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ و السلام سے روایت کی، کہ جو شخص مصائب میں گھر جائے وہ کثرت سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے۔ صحیحین میں یہ بات ثابت ہے کہ یہ کلمات جنت کے خزانے میں سے ایک خزانہ ہیں ترمذی میں ہے کہ جنت کا دروازہ ہے۔ اس کے علاوہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار امراض کا علاج روحانی طریقے سے فرمایا۔

دل کی بیماریوں کا علاج

ابوداؤد نے سعد سے روایت بیان کی ہے کہ میں بیمار پڑ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور میں نے دل پر ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کی۔ فرمایا تمہیں دل کا عارضہ ہے۔ تم حارث بن کلدہ ثقفی کو بلاؤ کیونکہ وہ طب میں تھوڑی بہت شد بد رکھتا ہے تم مدینے کی سات کھجوریں لو اور پھر گٹھلی سمیت کوٹ لو اور پھر اس ملغوبے کو نگل لو یا انگلی سے حلق

محافل میلاد اور غیر مستند روایات

مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری

ماہِ ربیع الاول شریف میں دنیا بھر کے مسلمان اپنے آقا و مولیٰ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر حسب استطاعت خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں جلسہ، جلوس، چراغاں، صدقہ و خیرات سب اسی خوشی کے مظاہر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کے شکریئے کے انداز ہیں۔ کچھ ذوق لطیف سے محروم ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک ان تمام امور کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اگرچہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے تاہم وہ وقت بے وقت اپنے دل کا ابال نکالتے رہتے ہیں۔

دوسری طرف اہل سنت و جماعت کے اکثر خطباء و مقررین ہیں جو تبلیغ دین کو ایک مشن بنانے کی بجائے سنی سنائی باتوں پر غیر مستند کتابوں کے حوالے سے روایات بیان کر کے جوش خطابت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ اور سادہ لوح عوام الناس جذبات کی رو میں بہہ کر نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت لگا کر خوش ہو جاتے ہیں۔

چند سال سے علامہ ابن حجر مکی، ہیتمی قدس سرہٗ متوفی (۹۷۴) کے نام سے ایک کتاب "النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم" دیکھنے میں آرہی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو اور محامد کے ساتھ ساتھ میلاد شریف منانے کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ مقررین حضرات کے لئے یہ کتاب بڑی دلچسپی کی چیز ثابت ہوئی ہے۔ اکثر خطباء اس کے حوالے سے اپنی تقریروں کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

اس کتاب میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ارشادات سے میلاد شریف کے پڑھنے کے فضائل اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

۱:۔ جس شخص نے نبی اکرم کے میلاد شریف کے پڑھنے پر ایک درہم خرچ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (حضرت ابو بکر صدیق)

۲:۔ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کی تعظیم کی اس نے اسلام کو زندہ کیا۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

۳:۔ جس شخص نے حضور انور کے میلاد شریف کے پڑھنے پر ایک درہم خرچ کیا گویا وہ غزوہ بدر و حنین میں حاضر ہوا۔ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

۴:۔ جس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کی تعظیم کی اور میلاد کے پڑھنے کا سبب بنا۔ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ جائیگا اور جنت میں حساب کے بغیر جائیگا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

اس کے علاوہ حسن بصری، جنید بغدادی معروف کرخی، امام رازی، امام شافعی، سری سقطی وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ارشادات نقل کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اکابر علماء اہلسنت سے درخواست ہے کہ وہ ان کا جواب مرحمت فرمائیں

۱:۔ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہے۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں معتبر اور مستند حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں حجت ہے۔

(تطہیر الجنان، ص ۱۳)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول، فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔

(مقدمہ مشکوٰۃ شریف از شیخ عبد الحق محدث دہلوی)

علامہ ابن حجر مکی دسویں صدی ہجری میں ہوتے ہیں لازمی امر ہے کہ انہوں نے مذکورہ بالا احادیث صحابہ کرام سے نہیں سنیں لہذا وہ سند معلوم ہونی چاہیئے جس کی بنا پر یہ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ خواہ وہ سند

ضعیف ہی کیوں نہ ہو یا ان روایات کا کوئی مستند ماخذ ملنا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں اسناد دین سے ہے۔ اگر سند نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا کہہ دیتا (مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۲)

۲:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو تمہیں ایسی حدیثیں بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباء نے فایاکم وایاھم تم ان سے دور رہنا۔

(مسلم شریف جلد ۱ ص ۹)

سوال یہ ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر بزرگان دین کے یہ ارشادات امام احمد رضا بریلوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، ملا علی قاری علامہ سیوطی، علامہ نبہانی قدس اسرارہم اور دیگر علماء اسلام کی نگاہوں سے کیوں پوشیدہ رہے۔ جبکہ ان حضرات کی وسعت علمی کے اپنے اور بیگانے سبھی معترف ہیں۔

۳:۔ خود ان اقوال کی زبان اور انداز بیان بتا رہا ہے کہ یہ دسویں صدی کے بعد تیار کئے گئے ہیں۔ میلاد شریف پڑھنے پر دراہم خرچ کرنے کی بات بھی خوب رہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تو میلاد شریف کی کوئی کتاب تھی۔ جو پڑھی جاتی تھی اور نہ میلاد کے پڑھنے کے لئے انہیں دراہم خرچ کرنے اور فیس ادا کرنے کی ضرورت تھی۔ اور ایسا بھی نہیں تھا۔ کہ وہ صرف ربیع الاول کے مہینے میں میلاد ہوتی تھی جسمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال فضل وکمال، اور آپ کی تعلیمات کا ذکر ہوتا تھا

آج یہ تصور قائم ہو گیا ہے کہ ماہ ربیع الاول اور محفل میلاد میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا تذکرہ ہونا چاہیئے بلکہ بعض اوقات تو موضوع سخن صرف میلاد شریف منانے کا جواز ثابت کرنا ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر مقرر اپنی تقریر میں میلاد شریف کے جواز پر دلائل پیش کرکے اپنی تقریر ختم کر دیتا ہے اور جلسہ برخاست ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ میلاد شریف منانے کا مقصد تو یہ ہے کہ خدا اور رسول (جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت مضبوط سے مضبوط تر ہو اور کتاب وسنت کے مطابق عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ہماری محفلیں مستند روایات کے حوالے سے میلاد شریف کے بیان سے بھی خالی ہوتی ہیں اور عمل کی تو بات ہی نہیں کی جاتی۔

۴:۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہٗ نے جواہر البحار کی تیسری جلد میں ص ۳۲۸ سے، ۳۳ تک علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کے اصل رسالہ "النعمت الکبری علی العالم بمولد سید ولد آدم" کی تلخیص نقل کی ہے۔ جو خود علامہ ابن حجر مکی نے تیار کی تھی۔ اصل کتاب میں ہر بات پوری سند کے ساتھ بیان کی گئی تھی۔ تلخیص کی سندوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔

میری کتاب واضعین کی وضع اور ملحد مفتری لوگوں کے انتساب سے خالی ہے۔ جبکہ لوگوں کے ہاتھ میں میلاد نامے پائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر میں موضوع اور جھوٹی روایات موجود ہیں۔ (جواہر البحار جلد ۳ ص ۳۲۹)

اس کتاب میں خلفائے راشدین اور دیگر بزرگان دین کے اندر مذکورہ بالا اقوال کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی کہ یہ ایک جعلی کتاب ہے جو علامہ ابن حجر کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

علامہ سید محمد عابدین شامی، صاحب رد المحتار کے بھتیجے علامہ سید احمد عابدین شامی نے اصل نعمت کبری کی شرح "نشر الدرر علی مولد ابن حجر" لکھی جس کے متعدد اقتباسات علامہ نبہانی نے جواہر البحار جلد ۳ ص ۳۳، ۳۴ سے ص ۳۴، ۳ تک نقل کئے ہیں۔ اس میں بھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مذکورہ بالا اقوال کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ محافل میلاد میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات بھی بیان کی جائیں۔ اور میلاد شریف کی روایت مستند اور معتبر کتب سے لی جائیں مثلاً مواہب لدنیہ، سیرت حلبیہ، خصائص کبری زرقانی علی المواہب، مدارج النبوت اور جواہر البحار وغیرہ اور اگر صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر معروف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے خاصا مواد جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہی مواد مطلوب ہو جس سے آسانی استفادہ کیا جا سکے تو اس کیلئے سیرت رسول

(بقیہ ص ۱۰۳ پر)

۱۲ ربیع الاول یوم غم نہیں

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

بعض نادان دوست ربیع الاول شریف کے موقع پر عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والوں پر کئی دوسرے اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ حضور کی ولادت باسعادت اور وصال مبارک ایک ہی دن اور ایک ہی ماہ میں ہوتے ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کے بجائے انکے وصال فرما جانے کے افسوس میں غم منانا چاہیئے اور اس پر نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں کہ جی دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وصال کا غم ہی نہیں لہٰذا اس دوست موقع کی مناسبت سے ہم ان کے لئے اتنا ہی عرض کرنا چاہیں گے کہ۔

غم کرنا امت مسلمہ کا شیوہ نہیں

اللہ کی نعمتوں کے بدلے شکر کرنا اور شکر بجالاتے ہوئے خوشی کرنا، اللہ رب العزت کا حکم ہے جس کی تفصیل اور گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی شکر بجالاتے ہوئے غم واندوہ اور افسوس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ایسا کرنا تو نعمت کی بے قدری ہے اور بے قدری کرنا گویا کفران نعمت کے زمرے میں آتا ہے جس کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ اگر تم میری نعمت کی ناشکری کروگے تو بیشک میرا عذاب سخت ہے

لہٰذا اس موقع پر سوگ منانا اور غم کرنا امت مسلمہ کا وطیرہ اور اس کا شیوہ نہیں اس لئے کہ غم تو نعمت کے خاتمہ پر کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ غم اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی چیز ختم ہو جائے، چلی جائے اس سے حاصل ہونے والے فوائد بھی ختم ہو جائیں اور اس کے اثرات ونتائج کا سلسلہ بھی بند ہو جائے۔ مثلاً کسی کے ہاں بیٹا تھا، وہ فوت ہو گیا اب اس کے مرنے پر تو غم ہو سکتا ہے کہ بیٹے کی نعمت اس سے چھن گئی، لیکن پھر بھی شکر گزار مومنین کا یہ شیوہ بھی نہیں کہ وہ مال و دولت اور اولاد کے آنے جانے پر خدا سے شکوے کریں کیوں کہ یہ تو آزمائشیں ہوتی ہیں۔

چہ جائیکہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر غم کرے یا حزن وملال کی کیفیت اپنائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک بھی اسی طرح امت کے حق میں رحمت ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ تھی معترضین کو یہ اعتراض کرتے ہوئے کم از کم حیاۃ النبی پر غور کرنا چاہیئے وہ اس ہٹ دھرمی میں آ کر انبیاء اور تمام انسانوں کی موت وحیات کو یکجا تصور کرتے ہیں وہ انتہائی نامناسب اور غیر علمی انداز سے اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں جس میں سرے سے کوئی قرین قیاس بات ہی نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تو موجود ہیں غم تو تب کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ رحمت امت کے سر سے اٹھ گیا ہو یا رابطہ اور تعلق منقطع ہو چکا ہو حضور تو آج بھی امت کے احوال سے باخبر ہیں اور قدم قدم پر دستگیری فرماتے ہیں یہاں حیات النبی کے دلائل دینا تو باعث طوالت ہوگا وہ ایک الگ موضوع ہے جس پر مختلف مکاتب فکر کے علماء کی کتب موجود ہیں تاہم اس میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ حضور اپنے جسم اطہر کے ساتھ اپنے روضہ مبارک میں باحیات تشریف فرما ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کلمہ مسلمانوں کو عطا فرمایا اس کے الفاظ ہی اس حقیقت پر بیّنہ شہادت ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جاری وساری ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گی جس طرح حیات ظاہری میں تھی کلمہ طیبہ کے کلمات ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ " اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"۔

اب جو شخص یہ کہے کہ " محمد اللہ کے رسول تھے اور یہ نہ کہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں" وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماضی میں رسول سمجھنے کے عقیدہ کو سرے سے ختم کر دیا اور حضور کی بات "تھے" کے صیغے سے کرنے کی اجازت ہی نہیں دی اور سلسلہ نبوت کے آخر میں حضور کو بھیجکر یہ واضح کر دیا کہ لوگو! اور نبی آئے اور چلے گئے چوں کہ وہ جاتے رہے اس لئے نئے نبی بھی آتے رہے اگر حضور چلے گئے ہوتے تو کوئی نیا نبی آجاتا، اور نیا نبی اب نہیں آئے گا۔ خدا نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے لہٰذا سیدھی سی بات ہے حضور کی نبوت تا حال ہے اور قیامت تک رہے گی اس لئے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ حضور اب بھی اسی اسی طرح اللہ کے رسول ہیں جس طرح صحابہ کے لئے تھے۔ اور جس طرح ہمارے لئے ہیں اسی طرح بعد میں آنے والی قیامت تک کی نسلوں کے لئے ہونگے فرق صرف اتنا ہے کہ ترسیٹھ برس تک آپ ہر سر کی آنکھ سے دکھائی دیتے تھے اور وصال مبارک کے بعد کسی دل کی آنکھ سے دکھائی دیتے ہیں پہلے حالت بیداری میں ہر کسی کو نظر آتے تھے اب کسی کسی کو خواب میں نظر آتے ہیں۔

اور جو شخص ان کی یاد اور محبت میں دل کو زندہ کر لے وہ اب بھی نہ صرف خواب میں بلکہ بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور دل کی آنکھ سے نہیں سر کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

حضور کی امت میں کتنے عشاق ایسے ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ بیمار ہوئے حضور بنفس نفیس ان کی عیادت اور احوال پوچھنے تشریف لائے اور لاتعداد بزرگوں کے حالات ایسے ملتے ہیں جن کے ہاں مرگ ہوئی حضور بنفس نفیس ان کے تعزیت اور دلجوئی کے لئے تشریف لائے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلص غلاموں کی عیادت بھی کرتے ہیں ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں انہیں دل اور سر کی آنکھوں سے شرف دیدار کے لئے بھی تشریف لاتے ہیں حضور کے بعض امتی تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے قسم کھا کر کہا۔

لو حجب عني رسول الله صلى الله عليه وسلم طرفة عين ما عددت نفسي من المسلمين۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لئے بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں تو اس لمحے میں (حضرت ابوالعباس مرسی) خود کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتا"۔

ان کے تو ایسے بھی غلام جن کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی نہیں ارے نادان انسان تو نے سمجھ لیا کہ حضور مجھے جو نظر نہیں آتے تو شاید چلے ہی گئے ہیں۔ جو ان کے ہو گئے ہیں ان سے پوچھ کر دیکھ وہ کہتے ہیں ہمیں ہر گھڑی دیدار سے نوازا جاتا ہے اور ہر آن ان کا لطف و کرم جاری ہے اور جس گھڑی وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہوں ہم اپنے آپ کو مسلماں ہی نہیں سمجھتے جب سب کچھ ہے تو غم کس کا۔

نہ تو حضور کی عنایات میں کمی آئی نہ ان کی شفقتوں اور مہربانیوں میں کمی آئی نہ ان کی طرف سے ملنے والی ہدایات میں کمی آئی نہ حضور کے تصرف و کمال میں کمی واقع ہوئی اور نہ ان کی توجہات میں کوئی کمی ہوئی جب سب کچھ اسی طرح موجود ہے تو غم کس بات کا ہے بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت آئی ہے لیکن جب ایک عام مومن اور کافر کی موت میں زمین آسمان کا فرق ہے تو حضور کی موت اور عام انسانوں کی موت میں کتنا فرق ہوگا۔

حضور نے جو ظاہری دنیا سے پردہ فرمایا ہے تو عام انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں خواص تو آج بھی حضور کو عالم بیداری میں دیکھتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی جیسے لوگ جنہوں نے زندگی میں کم و بیش بہتر (۷۲) یا پچہتر (۷۵) بار عالم بیداری میں حضور کی زیارت کی۔

آپ جب روضہ اقدس پر حاضری کیلئے جاتے ہیں تو کیا اسی طرح جاتے ہیں جس طرح ایک عام آدمی کی قبر پر جایا جاتا ہے بلکہ وہاں جاکر وہی آداب ملحوظ رکھنے فرض ہیں جو آپ کی ظاہری حیات مقدسہ میں تھے اور ہم جب حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں تو بعض سلام تو فرشتوں کے ذریعہ ان تک پہونچائے جاتے ہیں اور بعض خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا سلام سن کر حضور اس کو جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

حضور نے اسی لئے فرمایا کہ لوگو! میری وفات کو دوسروں کی

موت کی طرح نہ سمجھنا قیامت تک اگر کوئی مومن بھی مجھ پر سلام کہے گا میں اس کا سلام سنتا بھی ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں میری روح مجھ میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ کئی دوسرے ائمہ کے علاوہ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں اس قسم کی بہت سی روایات اکٹھی کی ہیں جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے جسے انہوں نے طبرانی اور ابوداؤد سے اس طرح نقل کیا۔ حضور نے فرمایا۔

لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان قلنا و بعد وفاتك۔ قال و بعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

جو شخص بھی مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہونچتی ہے وہ جہاں بھی ہو صحابہ نے عرض کی کیا بعد از وصال بھی آپ اسی طرح سنیں گے فرمایا ہاں کیوں نہیں وصال کے بعد کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔"

یہ کوتاہیاں ہماری طرف سے ہیں کہ ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں اس لئے کہ ہم زندہ ہو کر بھی مردہ ہیں اور وفات پا کر بھی زندہ ہیں حضور تو سلام سنتے بھی ہیں اس کا جواب ہم سننے سے قاصر ہیں کیوں کہ ہر کان نہ سزاوار سماعت ہے اور نہ ہی ہر آنکھ قابل دیدار الغرض امت مسلمہ پر خوشی و مسرت کا اظہار واجب ہے نا کہ اظہار غم اور افسوس۔

رحلت شریف کے متعلقہ مندرجہ بالا بحث کے بعد چند روایات اور ائمہ کے اقوال پیش خدمت ہیں جو انشاء اللہ اس قابل افسوس ذہنی رجحان کو اصلاحی پہلوؤں پر سوچنے میں مدد دیں گے امت کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور رحلت اطہر دونوں رحمت ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: حیاتی خیر لکم و موتی خیر لکم
میری ظاہری حیات اور میرا وصال دونوں تمہارے لئے باعث خیر ہیں۔

دوسرے مقام پر اس کی حکمت ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

ان الله عزوجل اذا اراد رحمة امة من عباده قبض نبيها قبلها فجعله لها فرطا و سلفا بين يديها و اذا اراد الله هلكة امة عذبها و نبيها حي فاهلكها و هو ينظر فاقر عينه بهلكتها حين كذبوه و عصوا امره۔

"جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر اپنا فرض کرم کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اس امت کے نبی کو وصال عطا کر کے اس امت کے لئے شفاعت کا سامان کر دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی ظاہری حیات میں ہی عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے اور اس امت کی ہلاکت کے ذریعہ اپنے پیارے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرماتا ہے۔"

مذکورہ حدیث میں لفظ فرط کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ اصل الفرط هو الذی یتقدم الواردین لیهیئ لهم ما یحتاجون الیه عند نزولهم فی منازلهم ثم استعمل للشفیع فیمن خلفه۔

"فرط" کسی مقام پر آنے والوں کی ضروریات ان کی آمد سے پہلے مہیا کرنے والے شخص کو کہا جاتا ہے پھر اپنے بعد آنے والے کی سفارش کرنے والے کے لئے مستعمل ہونے لگا۔

اس امت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہے کہ آخرت میں پیش ہونے سے پہلے اس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بنا دیا گیا ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا میرا وصال بھی تمہارے لئے رحمت ہے جب یہ بات طے ہو گئی کہ امت کے حق میں دونوں رحمت ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں نعمت عظمیٰ کون سی ہے؟ تو ظاہر ہے کہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری امت کے حق میں ایسی عظیم نعمت ہے کہ اس کے ذریعے ہی دوسری نعمت حاصل ہوئی۔

امام جلال الدین سیوطی مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے اصول شریعت بیان کرتے ہیں کہ

قد امر الشرع بالعقیقة عند الولادة و هی اظهار شکر و فرح بالمولود و لم یامر عند الموت بذبح و لا بغیره بل نهی عن النیاحة و اظهار الجزع فدلت قواعد الشریعة علی انه یحسن فی هذا الشهر اظهار الفرح بولادته صلی الله علیه وسلم دون اظهار الحزن فیه بوفاته

شریعت نے ولادت کے موقعہ پر عقیقہ کا حکم دیا ہے اور یہ بچے کے پیدا ہونے پر اللہ کے شکر اور خوشی کے اظہار کی ایک صورت ہے لیکن موت کے وقت ایسی چیز کا حکم نہیں دیا بلکہ نوحہ، جزع وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔ شریعت کے مذکورہ اصول کا تقاضا ہے کہ ربیع الاول شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا جائے نہ کسی وصال پر غم "

اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے مفتی عنایت اللہ کاکوروی حرمین شریفین کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"علماء نے لکھا ہے کہ اس محفل میں ذکر وفات نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ محفل واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی ہے ذکر غم جانکاہ اس محفل میں نازیبا ہے۔ حرمین شریفین میں ہرگز عادت ذکر قصہ وفات کی نہیں ہے" (تواریخ حبیب الٰہ ۱۵)

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ایسا نہیں جو امت سے آپ کا تعلق ختم کر دے بلکہ آپ کا فیضان نبوت تا قیامت جاری ہے اور آپ برزخی زندگی میں دنیاوی زندگی سے بڑھ کر حیات کے مالک ہیں حضرت ملا علی قاری نے آپ کے وصال کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

لیس هناك موت ولا فوت بل انتقال من حال الی حال۔ کہ یہاں نہ موت ہے اور نہ وفات بلکہ ایک حال سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ (شرح الشفا ۱: ۳۶)

★ جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے گا تو تیسرا شیطان ہوگا جو گناہ پر آمادہ کریگا۔

★ اللہ کی لعنت ہو اس پر جو نامحرم کو دیکھے اور اس پر بھی جس کو دیکھے۔

جشن میلاد کے تقاضوں سے فرار تک

پروفیسر محمد اکرم رضا

جشن میلاد کی خوشیاں برحق، ان ساعتوں کی مسرت آفرینی درست تحدیث نعمت کے نام پر جلسوں اور پر وقار جلوسوں کا اہتمام ماشاء اللہ، محافل آرائی کی کثرت سبحان اللہ، عشق وعقیدت کا وفور نور علیٰ نور، محبت کے غیر معمولی مظاہر کے کیا کہنے، ارادت کے نام پر اشکوں کی برسات الحمد اللہ، ایمان ویقین کی کہکشاں کی ضو باریاں عین شکر نعمت مگر سوال ابھرتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ ایک دن کے لئے ہے۔ تحدیث نعمت کے لئے ایک دن کی توفیق بھی عطا ہو جائے تو بہت ہے مگر یہاں معاملہ اس سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ہے جو مہد سے لے کر لحد تک اپنی جلوہ کاری دکھا رہی ہے۔ ایک دن کی عقیدت کشی کے بعد جب ہم پورے سال میں اپنی زندگی کے معاملات کو اسوۂ حضور سے ہٹ کر دیکھتے ہیں تو ہمارا ابو جہل ضمیر فریاد کناں ہونے لگتا ہے ؎

مسلماں آں فقیر کج کلا ہے
رمید از سینہ او سوز آہے
دلش نالا چرا نا لد انہ
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ومسعود ساعتیں ہمیں یہ پیغام دے رہی ہیں کہ اگر ہم صحیح معنوں میں محبت رسول خدا کے دعویدار ہیں اور سلطان دو عالم سے عقیدت کو اپنے ایمان کا جزو اول سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں۔

اولاً۔ دلوں میں عشق محبوب خدا کی حقیقی شمع فروزاں کرنا ہوگی۔ وہ شمع کے جس کے انوار سے صحابہ کرام اور قرون اولیٰ کے جلیل القدر مسلمانوں کو سیرت رسول کے سانچے میں اس شان کے ساتھ ڈھال دیا تھا کہ ان کے کردار کی ایک جھلک دیکھ کر کفار حلقہ بگوش اسلام ہونے لگتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دنیائے انسانیت کے محسن اعظم، غلاموں کے مولا، بیکسوں کے والی اور صاحب خلق عظیم ہیں۔ خدائے کریم نے رحمت کی خلعت جاودانی سے آپ کو نواز کر محکوموں مجبوروں کے دکھوں کا ازالہ کر دیا تھا اس لئے ہمیں چاہیئے کہ آپ کے خلق عظیم کو مشعل راہ بنا کر اس کی بدولت دنیا بھر کے دکھوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالی اور امت اسلام کے حوالے سے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

"دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہایت اعلیٰ اخلاق کے اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہ کے اخلاق کو ہمارے سامنے پیش کریں تاکہ ہماری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری وساری ہو جائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کے سامنے خربوزہ لایا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا ہے، مبادا میں ترک سنت کا مرتکب ہو جاؤں۔ ؎

کامل بسطام در تقلید خرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

ثانیاً۔ ہمیں زندگی کے ہر میدان میں سید سرور ان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قدسیہ سے روشنی لینا ہوگی۔ محبت رسول ہمیں خود سپردگی کا درس دیتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرماویں باز رہو"
(الحشر)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قدسیہ زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ آپ نے ایک عام شہری کی حیثیت سے، مملکت عرب کے فرمانروا کی حیثیت سے، مکہ کے باسی اور مدینہ منورہ کے تاجدار کی حیثیت سے، ایک مجاہد اور پھر سالار عساکر اسلام کی حیثیت سے راہ حق میں پتھر کھا کر دعاؤں سے نوازنے والے مشفق رہبر اعظم کی حیثیت سے، منصف اعظم اور پھر کشور کشا کی حیثیت سے خلوتوں کے عابد اور جلوتوں کے مصلح اعظم کی حیثیت سے بے مایہ مظلوموں کے فریادرس اور مجبوروں کے حاجت روا کی حیثیت سے، شعب ابی طالب کے اسیر اور پھر تاریخ عالم کے عظیم فاتح کی سے حیثیت سے صاحب تدبیر سیاستدان اور مظہر تقدیر خداوندی کی حیثیت سے۔ ممتاز، منفرد، مقنن اور آداب معاشرت سکھانے والے معلم کی حیثیت سے، ظلم وتشدد کی آگ سرد کرنے والے پیکر خلق عظیم اور دینی ودنیاوی فیوض وبرکات بانٹنے والے قاسم اکرامات ربانی کی حیثیت سے، عدل ومساوات پر مبنی نظام معیشت بخشنے والے آقائے مشفق اور کاروان انسانیت کے محسن اعظم کی حیثیت سے، ایک بیٹے، ایک خاوند اور ایک مہربان باپ کی حیثیت سے جو نقوش لازوال صفحہ ہستی پر مرتسم کئے ہیں ان کا پرتو ہماری زندگیوں میں نظر آنا چاہیئے۔ آپ رحمۃ العالمین ہیں، صورت وسیرت کے لحاظ سے قرآن ناطق اور افعال وکردار کے لحاظ سے فرمودات الٰہی کا آئینہ ہیں۔ جب ہم آپ کے حوالے سے آپ کی عظمتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں تو پھر انہیں اپنانے میں تردد کیسا۔ اگر زندگی کے ہر میدان میں ہم آپ سے راہنمائی حاصل نہیں کریں گے تو جشن میلاد کی حقیقت فقط ایک دن سے عبارت ہو کر رہ جائے گی اور ہر صاحب دل کو لرزتے آنسوؤں کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ؎

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خون جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

ثالثاً: حضور علیہ الصلوٰۃ صحیح معنوں میں پیغمبر انقلاب ہیں آپ نے اپنی عالمگیر تعلیمات کی بدولت صدیوں کے زیر دستوں کو یہ حوصلہ بخشا کہ وہ شاہان عجم کے قدموں تلے سے ان کے تخت چھین لیں۔ آپکے فیضان تربیت کی بدولت چشم فلک نے یہ حیرت انگیز نظارا دیکھا کہ راہزن راہبر بن گئے۔ تہذیب وتمدن سے عاری اونٹوں کے چرانے والے قدیم تہذیبی مراکز میں بسنے والوں کو آداب تمدن سکھانے لگے۔ آپ نے مساوات واخوت کی ایسی پاکیزہ فضا قائم کی کہ سیدنا فاروق اعظم، حضرت بلال کو سیدی بلال کہہ کر پکارنے لگے۔ اور پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دنیا بھر کے مقہور ومجبور اور بیکس ولاچار انسان سرور امی لقب کے دامن میں پناہ لے کر ہاشمی نسب صحابہ کے شانہ بشانہ چلنے لگے۔ آج پھر سے ضرورت ہے کہ آپ کے پیغام انقلاب کو عام کیا جائے۔ اور پھر سے ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ دنیا بھر کے محکوموں اور مجبوروں اسلام کے دامان عافیت میں ہی پناہ اور سکون نظر آنے لگے۔

رابعاً: آج کے دور پر آشوب میں ہم ذلت وخواری کی آخری حدود کو چھو رہے ہیں۔ ہم نے دلوں کے صنم کدوں میں حرص وہوا اور جاہ طلبی کے نئے نئے بت تراش لئے ہیں۔ ہر صاحب ثروت غریب کو یوں حقارت سے دیکھتا ہے جیسے اسے زندہ رہنے کا حق ہی نہیں ہے۔ ہم نے خود کو ٹکڑوں اور خانوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ اب ہم مسلمان کہلانے کی نسبت اپنی پہچان صوبوں اور جغرافیائی، وقبائلی تعصبات کے حوالے سے کروانا چاہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج الوداع کے موقع پر یہ فرما کر کہ "آج سے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں" ہر قسم کے جغرافیائی، قبائلی اور لسانی ان باطل رسوم وقیود اور عرب کے دور جہالت کی برائیوں سے دامن بچا کر اپنی پہچان فقط حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تلاش کریں اور زمانے بھر کو احساس دلائیں کہ ہمارا سب سے بڑا اعزاز ہمارا مسلمان کہلانا ہے۔

خامساً: اسلام میں عبادات اور ارکان اسلام کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان ارکان اسلام اور عبادات کی بنیاد تقویٰ وپرہیزگاری پر ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی نماز اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ وصال انور سے کچھ عرصہ پیشتر آپ مسجد نبوی میں اس طرح پہنچتے کہ آپ کے دونوں ہاتھ حضرت علی اور حضرت عباس کے کندھوں پر ہوتے اور آپ کے پاؤں کے انگوٹھوں کے نشانات سے زمین پر لکیریں پڑتی جاتیں۔ ایک طرف فتوحات کا یہ عالم تھا کہ محکوم حکومتوں اور باج گزاروں سے اتنا خراج آتا کہ سلطان دوعالم تقسیم کرتے

کرتے تین تین دن مسجد میں گزار دیتے اور دوسری طرف "الفقر فخری" کی بلندی کا یہ عالم ہوتا کہ اپنے پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے اور گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا۔ بحیثیت ایک مسلمان اور محبِّ رسول کے ہمارا فرض ہے کہ ہم ارکان اسلام کی بجا آوری خلوص ایمان کے ساتھ کریں کیونکہ ان کو ادا کئے بغیر نہ تو حضور کی خوشنودی میسر آسکتی ہے اور نہ ہی خدا راضی ہوسکتا ہے۔

سادساً ۔ جشن میلاد ہمیں اسلام اور قرآن کے حوالے سے پیغام دیتا ہے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل دین فطرت ہے۔ یہ وہی دین ہے جس کی عملی تصویر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ملتی ہے۔ اسلام کو اگر حکومتی اور سیاسی آئینے سے دیکھا جائے تو ہر دور کے حکمرانوں کو آداب جہانبانی سکھاتا اور شہریوں کو حقوق و فرائض کی پہچان عطا کرتا ہے۔ یہ ایسا نظام حکومت پیش کرتا ہے کہ جس میں حکمرانوں کو نیابت الٰہی کے تحت عوام کے حقوق کے سلسلہ میں خدا اور خلق خدا کے سامنے مکمل اور سخت بازپرس کا احساس ہوتا ہے اور ہر وقت اس احساس سے راتوں کو نیند نہیں سوسکتا کہ اگر میرے عہد حکومت میں دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا رہ گیا تو میں قیامت کے روز اس کے لئے بھی جوابدہ ہوں گا۔ اس احساس ذمہ داری کے ساتھ شہریوں کو بھی ان کے فرائض کا احساس دلایا گیا ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ صالح امیر کی اطاعت بھی عین ایمان ہے۔

سابعاً ۔ جشن میلاد غیر معمولی خوشی و مسرت کا دن ہے یہ دعاؤں کی قبولیت اور تمناؤں کے گلاب مہکنے کا دن ہے یہ لفظوں کی باریابی اور خواہشات کے مستجاب ہونے کا دن ہے۔ یہ درود و سلام کی ڈالیاں بارگاہ رسالت مآب میں نذر کرنے کا ہے۔ یہ مدحت و نعت کی زمزمہ پیرائی اور توصیف و ثنائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہے۔ یہ دن اپنے شرف، بزرگی، فضیلت از فیوض و برکات کی بنا پر سید الایام کے لقب سے پکارا جانے والا دن ہے۔ یہ رحمت خداوندی کے ابر کرم کے جھوم جھوم کر برسنے کا دن ہے۔ یہ حضور رحمۃ للعالمین کے عصیاں کاروں کو نوازنے کا دن ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ دن ایک محبّ رسول کے لئے خود احتسابی کا دن ہے کہ ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم نے گذشتہ جشن میلاد پر عقیدت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندنی بکھرتے ہوئے خدا اور اس کے حبیب کو گواہ بنا کر صراط مستقیم پر چلنے کا جو عزم کیا تھا ہم اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ہر آنے والا جشن میلاد ہمارے دلوں کو عقیدت کے نئے اسلوب سکھاتا اور اس ارشاد خداوندی کی عملی غرض و غایت کو سمجھنے کا پیغام دیتا ہے کہ

"ترجمہ) اور (اے محبوب) ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ اس پر خدا کی گواہی کافی ہے، جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا۔

ہماری دعا ہے کہ رب کریم جشن میلاد کی سعادتوں کے صدقہ میں ہمیں صحیح معنوں میں عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت بے بہا سے بہرہ ور کرے کیونکہ ہم خطا کاروں کے لئے محبت محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء سے بڑھ کر اور کوئی سہارا نہیں ہے

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

**

پیغمبر اعظم کی اولاد

غلام محی الدین فاروقی

حضور نبی کریم رؤف الرحیم رحمۃ اللعلمین کے تین فرزند اور چار صاحبزادیاں تھیں جن کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ قاسم ۔ یہ پہلے فرزند ہیں جو نبی علیہ السلام کے ہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے ابھی قدم قدم چلنا سیکھے ہی تھے کہ مالک حقیقی کے ہاں تشریف لے گئے نبی اکرم کی کنیت ابوالقاسم اسی وجہ سے ہے اور احادیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام اور کنیت کوئی شخص اپنے لئے جمع نہ کرے۔

۲۔ عبداللہ :۔ انہی کا لقب طیب و طاہر بھی ہے انکی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی اور وفات بھی مکہ مکرمہ میں ان کی وفات پر کفار نے شور مچایا کہ محمد کا کوئی بعد میں نام لینے والا نہیں اس کفار کے سوال پر خداوند کریم نے سورۃ کوثر کا نزول فرمایا یہ وہ معجزہ ہے کہ جس کا ظہور تا قیامت باقی ہے ان کافروں کا نام جن کو اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر فخر تھا غرور تھا آج ان کا کوئی نام تک بھی نہیں لیتا لیکن نبی کریم کا ذکر خیر ہر قرن میں ہوتا رہا آپ کا اسم مبارک اذان میں اقامت میں تشہد میں نماز میں درود میں زبانوں پر جاری اور دلوں پر حاوی ہے اور تا قیامت رہے گا۔

۳۔ ابراھیم :۔ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں یہ خاتون شاہ مصر نے حضور کی بارگاہ میں بطور ہدیہ پیش کی تھیں ابراہیم کی پیدائش مدینہ طیبہ میں ہوئی ولادت کی اطلاع ابورافع نبی علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام نے جو سلمیٰ دایہ کا شوہر تھا حضور کی خدمت میں دی حضور نے اسکو اس مبارک خوشی پر ایک غلام عطا فرمایا۔ بچہ کا نام جد بزرگوار کے نام پر ابراہیم رکھا سیدنا ابراہیم کے ابھی ایام رضاعت باقی تھے کہ حوران بہشتی کی گود میں سدھارے حضور علیہ السلام نے جب ابراہیم کو آخری وقت میں دیکھا تو وہ سانس چھوڑ رہے تھے حضور نے ان کو گود میں اٹھایا اور فرمایا۔ ابراہیم خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے پھر فرمایا ہم جانتے ہیں کہ موت تو امر حق اور وعدہ صدق ہے ہم جانتے ہیں پیچھے رہ جانے والے بھی پہلے جانیوالوں کے ساتھ جاملیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تب ہم ابراہیم کا الم اس سے بھی زیادہ کرتے آنکھ میں نم ہے دل میں غم ہے مگر ہم کوئی بات ایسی نہ کہیں گے جو رب کو ناپسند ہو۔ اتفاق سے جس روز ابراہیم کا انتقال ہوا اسی روز سورج کو گرہن لگا قدیم عرب کا اعتقاد تھا کہ چاند یا سورج کو گرہن کسی بڑے آدمی کی موت پر ہوتا ہے۔ اس موقع پر کچھ مسلمان بھی یہی کہنے لگے کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج کو گرہن ہوا ہے جب یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنی تو حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا جو کہ صحیح بخاری شریف کتاب الکسوف میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج ہو یا چاند کسی بھی انسان کی موت کی وجہ سے گہناتے نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھو۔ ابراہیم کی وفات پر منصب نبوۃ کی شان کو دیکھو سانس چھوڑتے بچہ کو گود میں اٹھایا تو فرمایا اے ابراہیم اس وقت ہم تیرے کسی بھی کام نہیں آسکتے۔ کیسی زبردست توحید کی تعلیم دی۔ موت پر صبر کے لئے کیسے عجیب دلائل امر صدق وعدہ حق اور الحاق اول و آخر ظاہر فرمائی پھر دل رنج اور رضائے الٰہی کا ذکر فرما کر انسان کی کمزوری اور ایمان کی طاقت و قوت بیان فرمایا ہے ذرا غور کرو کہ اصلاح عقیدہ مرحوم کا فرض کس قدر جلد غم فرزند پر غالب آتا

ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسی سرعت اور آمادگی سے وعظ ونصیحت میں مصروف ہوجاتے ہیں جب عام طور پر ایسی سوانح و مصائب میں لوگ اپنے آپ کو غمزدہ تصور کر کے بصورت ماتم بیٹھ جاتے (اللہ الحجۃ البالغہ)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

نبی کریم رؤف الرحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہیں۔ یہ چاروں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے پیدا ہوئیں ان سب کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں ہوئی (۱) زینب جو قاسم سے چھوٹی تھیں۔ اور دیگر اولاد سے بڑی تھیں۔ (۲) رقیہ جو زینب سے چھوٹی تھیں۔ (۳) ام کلثوم جو رقیہ سے چھوٹی تھیں۔ (۴) فاطمہ جو ام کلثوم سے چھوٹی تھیں۔ قرآن مجید میں سورہ احزاب رکوع ۸ میں لفظ جمع بَنَاتِکَ آیا ہے بنات جمع بنت کی ہے۔ پھر اسی سورۃ میں دوسری جگہ پر آیا ہے کہ ان کو ان کے باپوں کی نسبت اور نسب پکارا کرو یہی بات اللہ کے نزدیک سچ اور انصاف کی ہے قبل از اسلام لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جو یتیم لڑکے یا لڑکیوں کی پرورش کرتے ان کو ان یتیموں کا باپ کہہ دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس عادت سے منع فرمایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال تھی۔ سیدہ زینب کا نکاح مکہ میں ہی ابو العاص بن ربیع سے کر دیا گیا۔ ابو العاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں یہ نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی پاک میں ہوا۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ہی مشرف باسلام ہوگئیں مگر ابو العاص کا ایمان مؤخر ہے جنگ بدر میں ابو العاص کفار مکہ کی طرف سے تھے ان کو عبد اللہ بن جبیر انصاری نے قیدی بنایا۔ جب فدیہ کی بات چلی تو ابو العاص نے وہ ہار سیدہ زینب کا اپنے فدیہ میں پیش کیا جو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا جس کی تفصیل کتب کثیرہ میں مفصل درج ہے ابتدائے اسلام میں کفار مکہ نے ابو العاص کو بہت اکسایا کہ زینب کو طلاق دیدے۔ مگر ہر بار ابو العاص نے انکار ہی کیا۔ جب ابو العاص مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور مدینہ طیبہ پہنچکر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو نبی کریم نے چھ سال کی مفارقت کے بعد نکاح اول پر ہی سیدہ زینب کو ابو العاص کے گھر رخصت فرمادیا۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری تمام بیٹیوں سے افضل ہے کیونکہ اسکو میری وجہ سے بہت تکلیف پہنچی ہے (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۵ بروایت طحاوی وحاکم) سیدہ زینب کا انتقال ۸ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوا اور ابو العاص نے بماہ ذی الحجہ ۱۲ھ کو وفات پائی ان کے بطن سے ایک لڑکا بنام علی اور لڑکی امامہ پیدا ہوئیں علی فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ پر حضور کے ردیف تھے ابھی حد بلوغ کو پہنچنے والے ہی تھے کہ علیین کو سدھارے (از استیعاب) امامہ یہ وہ پیاری بچی ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں لیکر نماز پڑھی تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد امامہ کو اپنے نکاح میں لے لیں چنانچہ وصیت پر عمل کیا گیا جب مولیٰ علی مجروح ہوئے تو آپ نے امامہ کو وصیت فرمائی اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل سے کرلیں چنانچہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھا گیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کی دوسری بیٹی ہیں جو حضور کے تینتیس سال عمر میں پیدا ہوئیں ان کا نکاح مکہ میں ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پڑھا گیا۔ اس وقت یہ بات مکہ میں مشہور ہو گئی تھی کہ سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہ اور عثمان ہیں سیدہ رقیہ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت کرنے کے لئے شاہراہ ہدایت کا افتتاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرمایا۔ سیدہ رقیہ کے ۲ھ میں چیچک نکلی اور اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا حضور جب جنگ بدر کو تشریف لے جا رہے تھے اس وقت سیدہ صاحب فراش تھیں۔ حضور نے ان کی تیمار داری کے لئے حضرت عثمان غنی اور اسامہ بن زید

رضی اللہ عنہا کو چھوڑا جس روز زید بن حارث
فتح مکہ کی بشارت لیکر مدینہ طیبہ پہنچے اس
وقت سیدہ رقیہ کی تدفین ہو رہی تھی۔ وفات
کے وقت آپ کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ان کے
بطن سے ایک لڑکا عبد اللہ پیدا ہوئے
جو والدہ کے دو سال بعد والدہ سے بقیع
میں جا ملے۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی
ہیں سنہ ۳ھ میں ان کا نکاح حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ سے ہوا اسی لئے حضرت عثمان
کو ذوالنورین کہتے ہیں کہ حضور پر نور صاحب
یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں
یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ کے
نکاح میں آئیں سیدہ رقیہ کی کوئی اولاد
نہیں ۹ھ میں انتقال ہوا۔ علی المرتضیٰ و
فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے
مراسم تدفین پورے کئے۔ صحیح بخاری شریف
میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام کلثوم کی قبر پر
تشریف فرما تھے اور حضور کی ہر دو چشمان
نورانی سے آنسو جاری تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ حضور کے
سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے اکتالیسویں سال میں سیدہ
فاطمہ تولد ہوئیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ
عنہ کے ساتھ سیدہ کا نکاح واقعہ بدر کے
بعد اور جنگ احد سے پہلے ہوا۔ صحیح مسلم
شریف غزوہ احد میں ہے کہ جنگ احد
میں سیدہ نے عملاً حصہ لیا مدینہ میں یہ خبر
مشہور ہوگئی کہ حضور شہید ہوگئے تو سیدہ
میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ اس وقت حضور
غار سے باہر تشریف فرما ہو چکے تھے۔ سیدہ
نے باپ کے زخموں کو دھویا جب دیکھا کہ
خون بند نہیں ہوا۔ کو کھجور کی چٹائی جلا کر اس
کی راکھ زخموں پر رکھدی جس سے خون بند
ہوگیا۔ اسماء بنت عمیس کا بیان ہے کہ ایک
بار حضرت فاطمہ نے ان سے کہا کہ عورتوں کا
جنازہ جس طرح اب لے جایا جاتا ہے مجھے
تو اچھا معلوم نہیں ہوتا ہے جنازے کے
اوپر ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس سے
میت کی ہیئت بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ اسماء
نے کہا میں نے حبشہ میں دیکھا ہے وہ تمہیں
دکھاتی ہوں۔ پھر اس نے کھجور کی تازہ شاخیں
منگوا کر چارپائی پر لگائیں ان پر کپڑا ڈال دیا
سیدہ نے دیکھ کر فرمایا یہ بہت ہی اچھا
اور بہت ہی خوب اور بہتر ہے۔ حضرت
سیدہ فاطمہ کی وفات شب سہ شنبہ ۳۔
رمضان المبارک سنہ ۱۱ھ کو ہوئی وصیت
کے مطابق اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ نے
غسل دیا حضرت عباس یا حضرت علی نے
نماز جنازہ پڑھائی۔ اہل بیت میں سب سے
پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آخرت میں
یہی جا ملیں (انا للہ وانا الیہ راجعون
یہ مختصر ذکر ذریت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کیا گیا۔ ھٰذا ماعندی واللہ اعلم
بالصواب۔

★★

قارئین اشرفیہ سے گذارش

ہے کہ مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں
۱۔ شرعی مسائل سے متعلق استفسارات
براہ راست بنام حضرت مفتی صاحب
دار الافتاء اشرفیہ روانہ فرمائیں ماہنامہ
کی معرفت سوالات نہ بھیجیں۔ ۲۔ منی
آرڈر کرنے والے حضرات اس کی
صراحت کوپن پر ضرور کر دیں کہ رقم
کس مد کی ہے۔ ۳۔ پتہ اردو کے ساتھ
ھندی یا انگریزی میں بھی صاف صاف
تحریر فرمائیں، تاکہ غلطی کا امکان کم
رہے۔ ۴۔ مضامین سے متعلق خط
بنام ایڈیٹر بھیجیں، رسالہ کی خریداری
منی آرڈر اور دیگر امور کے لئے منیجر
"ماھنامہ اشرفیہ" مبارکپور اعظم گڈھ
سے رابطہ قائم کریں۔

(مدیر)

شرائط ایجنسی ماھنامہ اشرفیہ

دس پرچہ سے کم میں ایجنسی
شروع نہیں ہوگی۔ ۱۰ پرچے سے
۵۰ پرچے تک ۲۵ فیصد اور
۵۱ سے ۱۰۰ تک ۳۰ فیصد کمیشن
دیا جائے گا۔ ڈاک خرچ بذمہ
ادارہ ہوگا۔ ایجنٹ حضرات
ذیل کے پتہ پر قیمتی آرڈر ارسال فرمائیں
منیجر ماھنامہ اشرفیہ مبارکپور
اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۴۰۴

پیغمبر اعظم کی محبوب غذائیں

الحاج عبدالحکیم عزیزی بنارس

غذا کی ضرورت

فقہا نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بعض صورتوں میں کھانا، کھانا فرض ہے۔ نیز اس بات پر ثواب بھی ہے اور چھوڑنے پر عذاب بھی۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ اگر بھوک کا اتنا غلبہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر نہیں کھایا تو زندہ رہنا ممکن نہ ہوگا تو اس قدر کھانا جس سے زندگی بچ جائے فرض ہے۔ اگر نہ کھایا اور مرگیا تو عذاب ہے۔ اس قدر کھانا جس سے اللہ تعالیٰ کی بندگی پورے خشوع وخضوع سے ہوسکے۔ اگر روزہ بھی رکھنا چاہے تو رکھ سکے۔ اس قدر کھالینا ضروری ہے اور اس پر ثواب بھی ہے علاوہ ازیں خوب سیر ہوکر مثل جانوروں کے کھانا درست نہیں بلکہ یہ رویہ پیٹ پرستی اور نفس پرستی کے مترادف ہے۔

ہمارے آقا مولیٰ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی سیر ہوکر نہیں کھایا۔ بلکہ آپ نے خوب سیر ہوکر کھانے کو منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے نفسانی قوت زیادہ طاقت ور ہوتی ہے اور روحانی قوت مردہ ہوتی ہے۔ نیز نیند زیادہ آنیکی وجہ سے نمازوں کے قضاء ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ اسی طرح قوت نفسانی کے غلبے کی وجہ سے انسان بے شمار امراض گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

کھانے کا مسنون طریقہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ داہنے ہاتھ کی تین انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے، انگوٹھا، کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی، کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھوتے، کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھتے، اور اگر وہاں کوئی اور موجود ہوتا تو اسے بھی کھانے میں شریک کرلیتے، اسی طرح آپ کھانا دسترخوان پر کھاتے اور اپنے آگے سے کھاتے۔ آپ آہستہ آہستہ اور چبا چبا کر چھوٹے لقمے کھاتے، نہ تو آپ کھانے کو برا کہتے اور نہ اس میں کسی قسم کا عیب نکالتے کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیتے اور سالن والے برتن کو بھی انگلی سے صاف کر لیتے جب دسترخوان اٹھالیا جاتا تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ اگر کھانے کا کوئی ذرہ گر جاتا تو آپ اٹھا کر کھالیتے اور فرماتے یہ بھی اسی کھانے کا حصہ ہے جس سے تم نے کھایا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اٹھکر کھانا کھایا ہے نہ لیٹ کر نہ تکیہ لگا کر آپ اس طرح بیٹھکر کھانا کھاتے کہ اگر اٹھنے کی ضرورت محسوس ہو تو فوراً گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں گے۔ نیز آپ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ ٹھنڈا کر کے کھاتے اور فرماتے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو کیونکہ اس میں برکت ہے۔ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے۔ آپ کھانا بڑے احترام اور سکون سے تناول فرماتے تھے آپ کے طریقہ سے نعمت خداوندی کے شکرانے کے انداز دکھائی دیتے تھے۔

حضور کی پسندیدہ غذائیں

اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے پر تکلف اور لذیز کھانے کبھی تناول نہیں فرمائے مگر آپ کو بعض کھانے بہت مرغوب تھے، جنہیں آپ کمال شوق سے تناول فرماتے، بلکہ کبھی کبھار صحابہ کرام کے سامنے بھی اس کا اظہار فرمادیا کرتے پسندیدہ چیزوں میں بعض کے نام یہ ہیں، سرکہ، شہد، حلوا، روغن زیتون، کدو، گوشت وغیرہ، کدو خصوصیت سے آپ کی محبوب غذا تھی۔ اگر کہیں سالن میں کدو ہوتا تو آپ پیالے میں اسکی قاشیں انگلیوں سے تلاش کر کے کھاتے آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اگر کبھی کسی کے ہاں جانا ہوتا اور خواہش ہوتی تو گھر والوں سے کھانا طلب بھی کرلیا کرتے تھے۔ اگر مل گیا تو کھالیا نہیں ملا تو ماشاء اللہ۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے، آپ نے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے۔ امہانی نے جواب دیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اس وقت گھر میں صرف سرکہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا جس گھر میں سرکہ ہو وہ نادار نہیں ہے۔ بلکہ یہ سالن کی جگہ کافی ہے۔

حیس اہل عرب کی پسندیدہ غذا میں سے تھا اور اسے بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر تیار کیا جاتا تھا۔ بعض محدثین نے اسکی تیاری کے اور اجزاء بھی بتائے ہیں اور نام بھی مختلف۔ غرضیکہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حیس بہت پسند تھا اور آپ اسے شوق سے کھاتے تھے۔

گوشت گوشت کی تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات منقول ہیں، اگرچہ بعض محدثین نے انکی اسناد پر قیل وقال کی ہے، مگر تاہم وہ کتب احادیث میں منقول ہیں، جیسے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ گوشت طعاموں کا سردار ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ منقول ہے۔ کہ دنیا اور آخرت والوں کے لئے گوشت کھانے کا سردار ہے وغیرہ

دیگر گوشت کے علاوہ آپ کو چند اجزاء خالص طریقے پر پسند تھے جیسے دست، پٹ یہ دونوں جگہوں کے گوشت آپ کو محبوب ترین تھے، بعض محدثین نے اسکی پسندیدگی کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔

علاوہ ازیں تاجدار انبیاء محبوب کبریا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اور اقسام کے گوشت بھی تناول فرمائے ہیں مثلاً مرغ، بٹیر، دنبہ، اونٹ، بکری بھیڑ، گورخر، خرگوش اور مچھلی اسی طرح آپ کو بھنے ہوئے گوشت کے پارچے بھی بہت محبوب تھے، ان اشیاء کے میسر نہ ہونے پر آپ کھجور یا سرکے سے کھانا کھا لیتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

پانی، دودھ، شربت حضور تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی بے حد پسند تھا۔ آپ خالص دودھ بھی نوش فرما لیتے، یا اس میں پانی ملا کر پی لیتے، اور کبھی کبھار دودھ کی بھیگی ہوئی روٹی بھی تناول فرما لیتے تھے۔

ایک بار آپ نے اپنے اس اشتیاق کا ذکر صحابہ کرام کے سامنے کیا تو ایک صحابی اپنے گھر گئے اور روٹی دودھ میں بھگو کر لائے، آپ نے پوچھا کہ دودھ کس برتن میں تھا؟ اس نے عرض کیا حضور گوہ کے چمڑے کی تھیلی میں تو آپ نے اسے نہ کھایا۔ نیز آپ کے کھانے کے برتنوں میں ایک لکڑی کا پیالہ بھی تھا جو لوہے کے تاروں سے جڑا ہوا تھا۔ آپ پانی بیٹھ کر تین سانسوں سے سیدھے ہاتھ میں برتن لے کر پیتے تھے اور سانس لیتے وقت برتن منہ سے ہٹا لیتے۔ پانی پینے کے بعد الحمد للہ فرماتے، پانی پیتے وقت چوسنے کی آواز آیا کرتی تھی۔

تربوز اور کھجور ہادی دوران احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تربوز بھی پسند تھا۔ آپ تربوز اور کھجور ملا کر کھاتے کبھی اکیلا بھی کھاتے، اسی طرح ککڑیاں جو پتلی اور نرم ہوئیں انہیں بھی آپ شوق سے کھاتے۔ ستو بھی آپ کو بہت پسند تھا ستو اور کھجور دونوں ملا کر بھی کھا لیتے۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت آپ نے دعوت ولیمہ میں مہمانوں کی خاطر تواضع کھجور اور ستو سے کی، اسی طرح آپ کھجور کو تھوڑی دیر پانی میں بھگو کر بھی کھاتے اور وہ پانی بھی پی لیتے۔

ثرید اہل عرب کا یہ بھی پسندیدہ کھانا تھا۔ روٹی کے ٹکڑوں کو شوربے میں بھگو دیا جاتا جب وہ نرم ہوتے تو اسے کھا لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ثرید بہت پسند تھا۔ بلکہ آپ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا، عورتوں پر عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کو فضیلت ہے (ابوداؤد)، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کھانوں میں پسندیدہ ثرید خبز، اور ثرید حیس تھا، ثرید خبز تو روٹی اور شوربے سے تیار کیا جاتا ہے اور ثرید حیس کھجور، گھی اور روٹی سے بنایا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جَو کی روٹی جس کا آٹا چھانا نہ گیا ہو، پسند تھی۔ جَو کا دلیہ جو روغن میں پکایا جاتا ہے آپ کو پسند تھا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی، مکھن اور زیتون کے تیل سے روٹی تر کر کے اور چپڑ کر

بھی کھائی ہے۔

کدو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو بھی تناول فرمایا ہے اور اسے پسند بھی کیا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو دیکھا تو مجھے کدو سے بہت محبت ہوگئی (مسلم)

امام نووی فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ کدو سے محبت رکھیں اور اسے محبوب ترین غذا سمجھیں۔ اور ہر وہ چیز جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے اسے بھی محبوب جانیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چقندر کو بھی جو کی روٹی کے ساتھ تناول فرمایا ہے۔

لپٹا نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم نے (لپٹے) کو بھی پسند فرمایا ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ یہ غذا گوشت سے تیار کی جاتی ہے تیار کرنے کا طریقہ ہے۔ کہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا کر پانی میں پکائے جائیں۔ جب نرم ہوجائیں تو آٹا ڈال کر پکایا جائے۔ بس یہ غذا تیار ہوگئی۔

پھل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں میں سے خشک کھجور تر کھجور اور گدری کھجور، تناول فرمائی ہے، نیز آپ نے (کباث) بھی تناول فرمایا ہے (ہندی میں اسے پیلو کہتے ہیں) ساتھ ساتھ آپ نے کھجور کا گودا بھی کھایا ہے۔ نیز کھجور کو پانی میں بھگو کر دوسری چیزوں سے ملا کر بھی کھایا ہے اور خربوزہ، تربوز، ککڑی، انگور بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے ہیں۔

میں برادران اسلام سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین غذاؤں کو بھی محبوب رکھیں اور جو طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے ہم بھی اس طریقہ پر عمل کریں، ہماری کامیابی صرف اور صرف اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔

★★

۱۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد بہترین عقلمندی انسانوں سے محبت ومودت ہے۔
۲۔ تم میں سے کھڑے ہو کر ہرگز کوئی پانی نہ پئے۔
۳۔ ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے سوائے ذی محرم کے

از اوج اعظمی ضیاء العلوم خیرآباد

اے حبیب خدا شاہ جود وسخا میری بگڑی بناؤ تو کیا بات ہے

چاند ہے ضوفگن خندہ زن چاندنی اُن کی محفل سجاؤ تو کیا بات ہے
گنگناتی ہوا جگمگاتی فضا نعتِ سرور سناؤ تو کیا بات ہے
کر کے ترک انا دیکھے درسِ فنا دل کو اپنے کرو صورت آئینہ
یعنی عشقِ شہنشاہِ کونین میں اپنی ہستی مٹاؤ تو کیا بات ہے
حاجیو! تم حرم دیکھ کر آئے ہو، چوم کر سرورِ دیں کا در آئے ہو
سرگزشتِ دیارِ شفیع اُمم کچھ ہمیں بھی سناؤ تو کیا بات ہے
کوئی مونس نہیں کوئی ہمدم نہیں زخمِ دل کا مرے کوئی مرہم نہیں
اے حبیبِ خدا شاہِ جود وسخا میری بگڑی بناؤ تو کیا بات ہے
جیسے اے منکرو! ہے نہیں یہ یقین چاند پہ جاکے انساں پلٹ آئے ہیں
بس اُسی طرح معراجِ خیر البشر بے جھجک مان جاؤ تو کیا بات ہے
بس اُسی طرح معراجِ خیر البشر بے جھجک مان جاؤ تو کیا بات ہے
پھر مسلط زمانے پہ ہے تیرگی شرک وبدعت کا بازار سرگرم ہے
یا نبی نور افشانی کرتے ہوئے بہرِ حق پھر جو آؤ تو کیا بات ہے
ہو مقدر سے طیبہ میں جب حاضری گنگناتے ہوئے اوج! نعتِ نبی
اُن کے در پہ جبیں رکھ کے تم اُس گھڑی خود کو بھی بھول جاؤ تو کیا بات ہے

تعلیمات نبویہ کا مقدس سلسلہ

معارفِ سُنَن

حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی

قال بن شهاب واخبرنی ابو سلمة بنُ عبدِ الرحمنِ انَّ جابرَ بنَ عبدِ اللهِ الانصاریَّ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنهما. قال وهو یُحدِّثُ عن فترةِ الوحی فقالَ فی حدیثِهٖ بینا اَنَا اَمشِی اِذْ سمعتُ صوتًا من السّماءِ فرفعتُ بصری فاذا الملکُ الّذی جاءَ نِی بحراءٍ جالسٌ علٰی کُرسیٍّ بَینَ السَّماءِ والارضِ فرعبتُ منه فرجعتُ فقلتُ زمّلونی، زمّلونی (فدثّروہ) فانزلَ اللّٰہُ تعالیٰ. یا ایّها المدّثّرُ. قُمْ فانذِرْ وربَّکَ فکبّرْ وثیابکَ فطهّر والرّجزَ فاهجُرْ. فحَمِیَ الوحیُ وتتابعَ.

ابن شہاب نے کہا اور مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فترت وحی کی حدیث بیان کرتے ہوتے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو میں فرمایا میں چلا جارہا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس سے مجھ پر رعب طاری ہوگیا اور میں لوٹ کر گھر آیا تو میں نے کہا مجھے کپڑا اُڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ (لوگوں نے اڑھا دیا) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں " اے بالا پوش اوڑھنے والے اٹھئے (اللہ سے) ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔ اور اپنے کپڑے کو پاک رکھئے اور بت سے دور رہیئے۔ اس کے بعد وحی میں گرمی وتسلسل پیدا ہوگیا۔

سب سے پہلے کون سی سورت نازل ہوئی

جمہور کا قول یہ ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورہ اِقْراء کی ابتدائی پانچ آیتیں غار حراء میں نازل ہوئیں۔ اس حدیث کا یہ حصہ کہ " اچانک میں نے یہ دیکھا کہ وہ فرشتہ جو حراء میں آیا تھا زمین وآسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے " اس کی دلیل ہے کہ سورہ مدّثر کی یہ آیتیں واقعہ حراء کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورہ اقراء کی ابتدائی آیتیں حراء میں نازل ہوئیں، نیز اس حدیث میں تصریح ہے کہ فترت وحی کے قبل بعد سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئی ہیں اور یہ طے ہے کہ سورہ اقراء اس ابتدائی آیتوں کا نزول فترت وحی کے قبل ہوا اس لئے ماننا پڑے گا کہ سورہ اقراء کی ابتدائی آیتوں کا نزول سورہ مدثر کی ابتدائی آیتوں سے پہلے ہوا۔

عن عائشة امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنها انها قالت ان الحارث بن هشام سئل رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم فقال یارسول اللہ کیف یاتیک الوحی فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم احیانًا یاتینی مثلَ صلصلةِ الجرسِ وهو اشدُّه علیَّ فیُفصَمُ عنی وقد وعیتُ عنه قال واحیانًا یتمثّلُ لیَ الملکُ رجلاً فیُکلّمنی فاَعِی مایقولُ قالتْ عائشةُ رضی اللہ عنها ولقد رأیتُه ینزِلُ علیه الوحیُ فی الیوم الشدیدِ البردِ فیُفصَمُ عنه وانَّ جبینَه لیتفصّدُ عرقًا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، حضور کے پاس وحی کیسے آتی ہے، تو فرمایا کبھی گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے، فرشتہ جو کچھ کہتا ہے اس کو میں یاد کرلیتا تو یہ کیفیت دور ہوجاتی اور کبھی فرشتہ مرد کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا جو کچھ وہ کہتا اسے یاد کرلیتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں وحی اترتی تو نزول وحی کے اختتام پر جبینِ اقدس پسینہ پسینہ رہتی۔

نزولِ وحی کے وقت کی حالت

وحی کی سات صورتوں میں سے اس حدیث میں صرف دو صورتوں کو بیان ہے ایک جرس کی آواز کے مثل دوسرے فرشتے کا مرد کی شکل میں آکر کلام کرنا، پہلی صورت کو فرمایا کہ بقیہ صورتوں کی بہ نسبت یہ مجھ پر زیادہ سخت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول وحی کی تمام صورتیں سخت تھیں۔ حضرت ام المومنین کا یہ ارشاد " میں نے دیکھا کہ سخت جاڑے کے دنوں میں وحی کے نزول کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی، یہ ہر وحی کو عام ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ نزولِ وحی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، اس اثر سے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو کر سرخ ہو جاتا جیسے بخار سے یہی پیدا ہوتی ہے ویسی ہی کپکپی پیدا ہو جاتی۔ تنفس تیز ہو جاتا ناک سے خراٹے کی آواز نکلتی جاڑوں میں بھی پسینہ پسینہ ہو جاتے چہرہ سے پسینے کے قطرات یوں گرتے جیسے چاندی کے موتی جھڑ رہے ہوں نزول وحی کے وقت اگر سوار ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر بیٹھے تھے کہ آیہ کریمہ غیر اولی الضرر نازل ہوئی معلوم ہوتا تھا کہ ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

صلصلۃ الجرس کا مطلب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو ایسی بات بتانا چاہتے جو عقل سے ماوراء ہو تو اسے سمجھانے کے لئے عالم شہادت کی کوئی مثال ذکر فرماتے، جب حضرت حارث نے وحی کی کیفیت پوچھی اسکی کیفیت عالم عقول کی دسترس سے باہر تھی تو اس کو یوں سمجھایا کہ تم لوگ گھنٹے کی آواز سنتے ہو جو تسلسل کے ساتھ آتی رہتی ہے مگر اس سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح وحی کبھی اتنے جلال کے ساتھ آتی ہے کہ خطاب کی ہیبت اور ارشاد کا وزن دل پر ایسا چھا جاتا ہے جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا، مگر اس کے باوجود وحی کے کلمات سمجھ میں آتے ہیں جسے محفوظ کر لیتا ہوں۔

ان دو قسموں میں راز یہ ہے کہ متکلم اور سامع میں یک گونہ مناسبت ضروری ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری بشری ہے۔ دوسری باطنی جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی نے نہیں جانا، دونوں حیثیتوں میں کبھی کسی کو غلبہ ہوتا کبھی کسی کو۔ جب بشری حیثیت کے غلبہ کا وقت ہوتا تو فرشتہ بشر کی شکل میں آکر کلام کرتا۔ اور جب باطنی حیثیت کا غلبہ ہوتا تو باطنی حیثیت کے مطابق صلصلۃ الجرس والی کیفیت کے ساتھ وحی آتی۔

فرشتے مستقل نوع ہیں

اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ فرشتے ایک الگ مخلوق ہیں، ان کی مخصوص نوع ہے۔ ایسا نہیں کہ عناصر اور عناصر سے پیدا ہونے والی اشیا کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ ہے جو شخص مخلوقات کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ رکھے وہ کافر ہے۔

ہر فرشتہ کی ایک اپنی شکل ہے جیسا کہ گزر چکا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو دیکھا کہ پورے افق کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے چھ سو بازو ہیں۔ ان سے موتی، اور یاقوت جھڑتے رہتے ہیں، انہیں یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کرلیں۔

جبرئیل کی انبیاء کی بارگاہوں میں حاضری کی تعداد

حضرت جبرئیل امین حضرت آدم کی خدمت میں بارہ مرتبہ۔ حضرت ادریس کی خدمت میں چار مرتبہ۔ حضرت نوح کی خدمت میں پچاس مرتبہ۔ حضرت ابراہیم کی خدمت میں بیالیس مرتبہ۔ حضرت یعقوب کی خدمت میں چار بار۔ حضرت ایوب کی خدمت میں تین بار۔ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں دس مرتبہ تین بار بچپنے میں سات بار بڑے ہونے کے بعد۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ باریابی سے مشرف ہوتے[1] بقیہ انبیاء کرام کے بارے میں تعداد معلوم نہ ہو سکی۔

صحف انبیاء کی تعداد

رسولوں پر کل ایک سو چار صحیفے نازل ہوئے۔ دس حضرت آدم پر۔ پچاس حضرت شیث پر۔ تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت ابراہیم پر توراۃ حضرت موسیٰ پر۔ زبور حضرت داؤد پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ پر قرآن ہمارے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر[2]

بقیہ ۹۸ کا

عربی، علامہ نور بخش توکلی، میلاد النبی، علامہ سید احمد کاظمی، الذکر الحسین، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی دین مصطفیٰ، علامہ سید محمود احمد رضوی، المولد الروی، حضرت ملا علی قاری اور میلاد مصطفیٰ، شیخ محمد بن علوی مالکی کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

[1] زرقانی علی المواہب ۱/۳۴۳ [2] بشیر القاری۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، اس اثر سے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہوکر سرخ ہو جاتا جیسے بخار سے پیدا ہوتی ہے ویسی ہی بے چینی پیدا ہو جاتی۔ تنفس تیز ہو جاتا ناک سے خراٹے کی آواز نکلتی جاڑوں میں بھی پسینہ پسینہ ہو جاتے چہرہ سے پسینے کے قطرات یوں گرتے جیسے چاندی کے موتی جھڑ رہے ہوں نزولِ وحی کے وقت اگر سوار ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر بیٹھے تھے کہ آیۂ کریمہ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ نازل ہوئی معلوم ہوتا تھا کہ ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

صلصلۃ الجرس کا مطلب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو ایسی بات بتانا چاہتے جو عقل سے ماوراء ہو تو اسے سمجھانے کے لئے عالم شہادت کی کوئی مثال ذکر فرماتے، جب حضرت حارث نے وحی کی کیفیت پوچھی اسکی کیفیت عالم عقول کی دسترس سے باہر تھی تو اس کو یوں سمجھایا کہ تم لوگ گھنٹی کی آواز سنتے ہو جو تسلسل کے ساتھ آتی رہتی ہے مگر اس سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح وحی کبھی اتنے جلال کے ساتھ آتی ہے کہ خطاب کی ہیبت اور ارشاد کا وزن دل پر ایسا چھا جاتا ہے جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا، مگر اس کے باوجود وحی کے کلمات سمجھ میں آتے ہیں جسے محفوظ کر لیتا ہوں۔

ان دو قسموں میں راز یہ ہے کہ متکلم اور سامع میں یک گونہ مناسبت ضروری ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری بشری ہے۔ دوسری باطنی جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی نے نہیں پایا ان دونوں حیثیتوں میں کبھی کسی کو غلبہ ہوتا کبھی کسی کو۔ جب بشری حیثیت کے غلبہ کا وقت ہوتا تو فرشتہ بشر کی شکل میں آکر کلام کرتا۔ اور جب باطنی حیثیت کا غلبہ ہوتا تو باطنی حیثیت کے مطابق صلصلۃ الجرس والی کیفیت کے ساتھ وحی آتی۔

فرشتے مستقل نوع ہیں

اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ فرشتے ایک الگ مخلوق ہیں، ان کی مخصوص نوع ہے۔ ایسا نہیں کہ عناصر اور عناصر سے پیدا ہونے والی اشیاء کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ ہے جو شخص مخلوقات کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ رکھے وہ کافر ہے۔

ہر فرشتہ کی ایک اپنی شکل ہے جیسا کہ گزر چکا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو دیکھا کہ پورے افق کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے چھ سو بازو ہیں۔ ان سے موتی اور یاقوت جھڑتے رہے ہیں، انہیں یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کریں۔

جبرئیل کی انبیاء کی بارگاہوں میں حاضری کی تعداد

حضرت جبرئیل امین حضرت آدم کی خدمت میں بارہ مرتبہ۔ حضرت ادریس کی خدمت میں چار مرتبہ۔ حضرت نوح کی خدمت میں پچاس مرتبہ۔ حضرت ابراہیم کی خدمت میں بیالیس مرتبہ۔ حضرت یعقوب کی خدمت میں چار بار۔ حضرت ایوب کی خدمت میں تین بار۔ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں دس مرتبہ تین بار بچپنے میں سات بار بڑے ہونے کے بعد۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ باریابی سے مشرف ہوتے[1] بقیہ انبیاء کرام کے بارے میں تعداد معلوم نہ ہو سکی۔

صحفِ انبیاء کی تعداد

رسولوں پر کل ایک سو چار صحیفے نازل ہوئے۔ دس حضرت آدم پر۔ پچاس حضرت شیث پر۔ تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت ابراہیم پر توراۃ حضرت موسیٰ پر۔ زبور حضرت داؤد پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ پر قرآن ہمارے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر[2]

بقیہ ۹۸ کا
عربی، علامہ نور بخش توکلی، میلاد النبی، علامہ سید احمد کاظمی، الذکر الحسین، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی دین مصطفیٰ، علامہ سید محمود احمد رضوی، المولد الروی، حضرت ملا علی قاری اور میلاد مصطفیٰ، شیخ محمد بن علوی مالکی کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

[1] زرقانی علی المواہب ۱/۲۳۴ [2] بشیر القاری۔

پیغمبر اعظم کے اصحاب اور جذبۂ عشق وجہاد

مولانا محمد محبوب عزیزی

جلی ہوئی پیٹھ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ نظر آگئی آپ نے دیکھا کہ پوری پشت میں سفید سفید زخموں کے نشان ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اے خباب یہ تمہاری پیٹھ میں زخموں کے نشان کیسے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ کو ان زخموں کی کیا خبر؟ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ننگی تلوار لے کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹنے کے لئے دوڑتے پھرتے تھے۔ اس وقت ہم نے محبت رسول کا چراغ اپنے دل میں جلایا اور مسلمان ہوئے۔ اس وقت کفار مکہ نے مجھ کو آگ کے جلتے ہوئے کوئلوں پر پیٹھ کے بل لٹا دیا میری پیٹھ سے اتنی چربی پگھلی کہ کوئلے بجھ گئے اور میں گھنٹوں بے ہوش رہا مگر رب کعبہ کی قسم! کہ جب مجھے ہوش آیا تو سب سے پہلے میری زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نکلا

امیر المومنین حضرت خباب کی مصیبت سنکر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اے خباب کرتہ اٹھاؤ! میں اس پیٹھ کی زیارت کرونگا۔ اللہ اللہ یہ پیٹھ کتنی مبارک ومقدس ہے؟ جو محبت رسول کی بدولت آگ میں جلائی گئی ہے۔

ایک صحابی کا جذبہ

حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کیلئے روانہ ہوئے تو میرا اونٹ بہت لاغر اور کمزور تھا میرا خیال تھا کہ چند روز مزید ٹھہر کر حضور علیہ السلام سے جا ملوں گا۔ میں نے کئی روز تک اپنے اونٹ کو چارہ کھلایا اس کے بعد عازم سفر ہوا۔ جب ایک جگہ پہونچا تو میرے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس کے باعث وہ آگے نہ چل سکا میں نے اپنا مال ومتاع اپنی پشت پر رکھا اور چل دیا۔ راستہ میں سخت گرمی سے دوچار ہونا پڑا۔ لشکر اسلام کے پاس پہونچا تو لوگوں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کوئی شخص پیدل چلا آرہا ہے۔ سرکار نے فرمایا۔ ابو ذر غفاری ہوں گے۔ جب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے قیام کی حالت میں فرمایا۔ خوش رہو ابو ذر تم تنہا سفر کرتے ہو تنہا ہی اس دنیا سے جاؤ گے اور تنہا ہی بروز حشر اٹھو گے۔ کہتے ہیں جب ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ تو آپ تنہا ہی تھے۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے آپکو بحالت وفات پایا تو کہا سچ فرمایا تھا خدا کے صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

اضطراب عشق

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تو ان کا چہرہ اترا ہوا اور رنگ اڑا ہوا۔ دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو دردمند عاشق نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی جسمانی تکلیف ہے اور نہ کہیں درد بات یہ ہے کہ رخ انور جب آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو دل بے تاب ہو جاتا ہے فوراً زیارت سے اس کو تسلی دیتا ہوں۔ اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند کہاں ہوگا۔ اور یہ مسکین کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔ اگر روئے تاباں کی زیارت نہ ہوئی تو میرے لئے جنت کی ساری لذتیں ختم ہو جائینگی فراق وہجر کا یہ جانکاہ صدمہ تو اس دل ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ماجرا سنکر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ جبرئیل امین مژدہ لیکر تشریف

لائے۔ کہ ہم اطاعت گذار عشاق کو جنت میں جدائی کا صدمہ نہیں پہونچائینگے بلکہ ان کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میسر ہوگی۔

حضرت ابوبکر اور بارگاہ مصطفےٰ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ کو شہداء کے درمیان دفن کر دیں۔ اور بعض کہتے تھے کہ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے میں نے کہا میں تو انہیں اپنے حجرے میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کروں گی۔ ابھی ہم اس اختلاف میں تھے کہ مجھ پر نیند غالب آگئی میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محبوب کو محبوب کی طرف لے آؤ۔ جب میں بیدار ہوئی تو پتہ چلا کہ تمام حاضرین نے اس آواز کو سن لیا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد میں موجود لوگوں نے بھی اس آواز کو گوش ہوش سے سنا۔

وفات سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے تابوت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کے پاس لاکر رکھ دینا اور۔ السلام علیکم یا رسول صلی اللہ علیک وسلم کہہ کر عرض کرنا کہ حضور ! ابوبکر آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا ہے۔ اگر اجازت ہوئی تو دروازہ کھل جائے گا اور مجھے اندر لے جانا۔ ورنہ جنت البقیع میں دفن کردینا راوی کا بیان ہیکہ جب حضرت ابوبکر کی وصیت پر عمل کیا گیا تو ابھی وہ کلمات پایہ اختتام کو نہ پہونچے تھے کہ پردہ اٹھ گیا۔ اور آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کی طرف لے آؤ۔

شوق رفاقت

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی کا بیان ہے کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتا تھا۔ آپ کے وضو کیلئے پانی لادیا کرتا تھا اور دیگر خدمت (جامہ و مسواک وشانہ وغیرہ) بھی بجا لایا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھ سے فرمایا سَل (مانگو) میں نے عرض کیا۔

اسئلك مرافقتك في الجنة ترجمہ میں آپ سے بہشت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے لئے ہے۔ کچھ اور بھی ؟ حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ میرا مقصود تو وہی ہے آپ نے فرمایا تو کثرت سجدہ سے میری مدد کر۔ مطلب یہ ھیکہ خود بھی اس مقام بلند کی شان پیدا کرو اور میری عطا کے ناز پر کثرت عبادت سے غافل نہ ہو جاؤ۔

دیدار کا شوق

جب حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت اور اسلام کی تفسیر کر رہے تھے حضرت ابو عبدالرحمٰن آپ کی طرف متوجہ ہوکر سن رہے تھے اس دوران جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ابو عبدالرحمٰن کی آنکھوں میں رسول اللہ کا شوق دیدار چمک اٹھتا اور آپ کی ملاقات کے لئے وہ بے چین ہو جاتے۔ ایکبار ابو عبدالرحمٰن نے حضرت مصعب کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ کی زیارت کا کس قدر اشتیاق ہے کب سال جائے گا اور موسم حج آئے گا۔ اور ہم آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گے حضرت مصعب مسکرائے اور فرمایا ابو عبدالرحمٰن صبر کرو۔ دن جلد ہی گذر جائیں گے۔

ابن مسلمہ نے کہا حضور کی دید کے بغیر مجھے سکون میسر نہیں کب یہ دن گذریں گے پھر وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ اور فرمایا مجھے اندیشہ ھیکہ کہیں کسی وجہ سے حضور سے میری ملاقات نہ ہوسکے اس لئے کیا آپ ہمارے سامنے حضور کا سراپا ہی بیان کرسکتے ہیں۔ آپ حضور کی صحبت میں رہے ہیں اور حضور کے چہرۂ اقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ سبھی حاضرین نے بیک زبان کہا ابن مسلمہ تم نے ہمارے دل کی بات کہدی۔ ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سراپا بیان کیجئے۔

حضرت مصعب بن عمیر قاعدہ سے بیٹھ گئے۔ اپنا سر جھکایا نظریں نیچی کیں جیسے آپ حضور کا سراپا اپنے ذہن میں لا رہے ہوں۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں سفیدی و سرخی کا حسین امتزاج ہے۔ چشمان مبارک بڑی ہی خوبصورت ہیں۔ بھویں ملی ہوئی ہیں۔ بال سیدھے ہیں۔ گنگھریالے نہیں ہیں۔ داڑھی گھنی ہے۔ دونوں مونڈھوں کے بیچ فاصلہ ہے۔ آپ کی گردن مبارک جیسے چاندی کا چھاگل

ہتھیلی اور قدم موٹے ہیں۔ آپ جب چلتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے آپ اونچائی سے نیچے آرہے ہوں اور جب کھڑے ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ کسی چٹان سے نکل پڑے ہوں۔ جب آپ کسی کی طرف رخ فرماتے تو مکمل طور سے متوجہ ہوتے ہیں۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر پسینہ موتی کے مانند ہوتا ہے۔ نہ آپ پستہ قد ہیں نہ دراز قامت، آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ جو آپ کو یکایک دیکھتا ہے مرعوب ہو جاتا ہے اور جو آشنا ہو کر آپ کی صحبت میں رہتا ہے وہ آپ سے محبت کرنے لگتا ہے آپ سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ جرأت مند ہیں آپ کا طرز تکلم سب سے سچا، ایفاء عہد میں سب سے پکے، سب سے نرم طبع، اور رہن سہن میں سب سے اچھے ہیں میں نے آپ جیسا کسی کو نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی بعد میں۔ جس وقت حضرت مصعب بن عمر یہ بیان کر رہے تھے صحابہ کی اس جماعت پر سکوت چھایا ہوا تھا وہ سبھی حضرات پوری توجہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سراپا کے قدس کو سماعت کر رہے تھے۔ ابھی حضرت مصعب اپنا بیان مکمل بھی نہ کر سکے تھے کہ اہل محفل بیک زبان پکار اٹھے۔

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ

صحابیہ کا جذبہ

حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ احد میں اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم اور اپنے دونوں بیٹوں حضرت عمارہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیکر میدان میں کود پڑیں۔ اور جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا تو یہ ایک خنجر لیکر کفار کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں۔ اور کفار کے تیر و تلوار کے ہر ایک وار کو روکتی رہیں۔ یہانتک کہ جب ابن قمیہ ملعون نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار چلادی تو حضرت ام عمارہ نے اس تلوار کو اپنی پیٹھ پر روک لیا۔ چنانچہ ان کے کندھے پر اتنا گہرا زخم لگا کہ غار پڑ گیا۔ پھر خود بڑھ کر ابن قمیہ کے کندھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو جاتا مگر وہ ملعون دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے بچ گیا۔ اس جنگ میں بی بی ام عمارہ کے سر و گردن پر تیرہ زخم لگے تھے حضرت بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے ایک کافر نے جنگ احد میں زخمی کر دیا۔ اور میرے زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ میری والدہ ام عمارہ نے فوراً اپنا کپڑا پھاڑ کر زخم کو باندھ دیا۔ اور کہا بیٹا اٹھو۔ کھڑے ہو جاؤ اور پھر جہاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اتفاق سے وہی کافر سامنے آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ام عمارہ! دیکھ ترے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ام عمارہ نے جھپٹ کر اس کافر کی ٹانگ میں تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ کافر گر پڑا۔ اور پھر چل نہ سکا بلکہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے اور فرمایا کہ اے ام عمارہ! تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھ کو اتنی طاقت اور ہمت عطا فرمائی کہ تو نے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ حضرت ام عمارہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو جنت میں آپ کی خدمت گذاری کا شرف عطا فرمائے اس وقت آپ نے ان کے لئے اور ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کے لئے اس طرح دعا فرمائی کہ اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنۃ۔ یا اللہ ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنادے۔

حضرت بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علانیہ کہتی رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت مجھ پر آجائے تو مجھکو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

پیغمبر اعظم کا ایک جانباز عاشق

ادارہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایک حضرت خبیب تھے جوان آدمی تھے لیکن مفلسی کی تصویر کچھ شکل وصورت بھی واجبی سی تھی چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ لیکن طبیعت میں کچھ ہنسی مذاق تھا۔ اس لئے بعض حضرات آپ سے کچھ الگ الگ رہتے۔ آپ کبھی جنگل کی طرف نکل جاتے اور لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں بازار میں بیچ کر گزر اوقات کرتے۔ اکثر فاقہ سے رہتے لیکن کسی کے آگے دست سوال نہ دراز نہ کرتے عموماً مسجد نبوی میں پڑے رہتے ایک روز کچھ اداس اداس بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا تو پاس بلاکر حال پوچھا۔ حضرت خبیب نے عرض کیا:

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ بہ تقاضائے شریعت میرا دل چاہتا ہے کہ میری شادی ہو جائے۔ لیکن سوچتا ہوں مجھ سے کون شادی کرے گی۔ نہ پیسہ نہ بدن پر کپڑا۔ جوتا پاؤں کو کبھی نصیب نہ ہوا۔ نہ گھر نہ گھاٹ، پھر شکل وصورت بھی جیسی ہے حضور دیکھ رہے ہیں۔ میری عادات کچھ ایسی ہیں کہ میرے مسلمان بھائی مجھ سے الگ الگ رہتے ہیں۔ ایک اللہ کی ذات اور حضور ہیں۔ یہی میری دنیا ہے اور یہی میرا دین ہے۔

حضور اکرم نے فرمایا: اگر اللہ ہے تو سب کچھ ہے۔ جسے اللہ پر بھروسہ ہو۔ وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ شکل وصورت بھی اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنادی۔ ہنسنا ہنسانا بھی کوئی بری بات نہیں۔ حضرت خبیب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن رہے تھے۔

حضور اکرم نے پھر ارشاد فرمایا:

خبیب اللہ پر بھروسہ رکھو۔ انشاء اللہ تمہاری شادی کا انتظام بھی کہیں ہو جائے گا۔ میں بھی خیال رکھوں گا۔

جس روز خبیب نے اپنی شادی کے لئے حضور اکرم کی خدمت میں عرض کیا اس سے اگلے ہی روز مدینہ کے ایک کھاتے پیتے انصاری نے جس کی لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر لڑکی کی شادی کے متعلق خیر وبرکت کی درخواست کی۔ اس انصاری کے جانے کے بعد حضور انور نے حضرت خبیب کو بلاکر اس انصاری کا نام پتہ دیا اور فرمایا کہ تم اس انصاری کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور میری طرف سے رشتہ کی درخواست کرو حضرت خبیب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر بڑی حیرت ہوئی اور وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

حضور نے فرمایا: خبیب کیا سوچ رہے ہو؟

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ...... لیکن اور کچھ نہ کہہ سکے اور سر جھکا لیا۔

حضور نے فرمایا: ہاں ہاں کہو، چپ کیوں ہو گئے بات کرو

حضرت خبیب نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور کا حکم ہے کہ میں اس انصاری کے گھر جاؤں اور اس کی لڑکی کیلئے شادی کا پیغام دوں حضور میری ان کی کیا مناسبت، وہ عزت والے، کنبے والے، صاحب حیثیت، اور غلام کی جو حالت ہے۔ حضور کو معلوم ہے۔ نہ گھر نہ زر اور نہ شکل وصورت کس بھروسہ پر جاؤں۔ ارشاد ہوا: خدا کے بھروسہ پر تم اس انصاری کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہہ دینا کہ میں نے تمہیں بھیجا ہے۔"

دوسرے دن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اس انصاری کے مکان پر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک لونڈی باہر آئی۔ حضرت خبیب بولے:

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ ذرا اپنے آقا سے کہہ دو۔" لونڈی اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ انصاری آگئے اور سبقت کرکے السلام علیکم کہا اور بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھادی۔

حضرت خبیب نے حضور پرنور کا سلام دیا اور کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے . . . . . . پھر ذرا جھجکتے ہوئے اور دبی زبان سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ انصاری یہ سن کر کہ خبیب ان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کچھ شش و پنج میں پڑ گئے اور کچھ کہے سنے بغیر اٹھ کر اندر چلے گئے۔ بیوی نے شوہر کو کچھ پریشان سا دیکھ کر پوچھا۔ خیر تو ہے، خبیب کیسے آیا ہے۔؟

انصاری نے بیوی کی طرف دیکھا اور کہا۔

میں نے حضور اکرم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر لڑکی کی شادی کیلئے عرض کیا تھا، حضور نے اسی لئے خبیب کو میرے پاس بھیجا ہے۔

تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی لڑکی خبیب کے نکاح میں دیدیں۔

"ہاں" شوہر نے کہا۔ یہ سنتے ہی گھر والی کے تو پتنگے ہی اڑ گئے۔ بولی۔

جب اُس نے لڑکی کی شادی کے لئے کہا تھا تو تم نے کان پکڑ کر راستہ دکھا دیا ہوتا . . . . . . نہ شکل نہ صورت . . . . نہ بدن پر کپڑا . . . . . . نہ پاؤں میں جوتا نہ پلے دھیلہ نہ پیسہ۔ ابھی جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر

میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر انکار کر دوں۔ ہرگز نہیں میں تو ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ توبہ! توبہ!

ان کی لڑکی ماں اور باپ کی تکرار سن کر کوٹھے پر سے اتر کر نیچے آئی اور باپ سے پوچھا: "بابا امی کیوں جھگڑ رہی ہیں کیا بات ہے۔؟

امی ہی سے پوچھو: باپ نے کہا۔

اور ماں بولی: تیرا بابا تجھے اس بھوکے خبیب کے پلے باندھنا چاہتا ہے۔ سن لیا۔"!

"مجھے پلے باندھنا چاہتا ہے" لڑکی نے ذرا تعجب سے کہا۔ میں سمجھی نہیں"!

"اپنے باپ سے پوچھ" ماں نے کہا۔

باپ بولا: تمہاری امی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے لئے وَر کی درخواست کروں۔ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خبیب تمہارے نکاح کی درخواست کرنے میرے پاس آیا ہے۔ اب تمہاری امی مجھ پر بگڑ رہی ہے۔ خبیب (رضی اللہ عنہ) باہر بیٹھا انتظار کر رہا ہے بتاؤ کیا جواب دوں؟

لڑکی بولی: بابا! جائیے اور اس سے کہہ دیجئے کہ آپ اس سے میرا نکاح کرنے کو تیار ہیں جلدی . . . .

"کیا کہہ رہی ہو؟" ماں نے تڑپ کر غصے سے کہا۔ "تم خبیب کی بیوی ہوگی۔ شکل دیکھ کر ڈر آتا ہے۔ میں نے کتنی بار سنا ہے کہ مسلمان اس کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ نہ کریں۔ بیٹی بولی: وہ خدا کے رسول اکرم کو تو پسند ہے۔ تم خدا کا شکر کرو۔ میری اور اپنی قسمت پر ناز کرو . . . . . .

پھر باپ سے بولی:

"بابا: جا کے ان سے کہہ دیجئے کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر: آپ ان سے میرا نکاح کرنے کو تیار ہیں۔"

اندر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور خبیب باہر بیٹھے اندر سے اونچی اونچی غصیلی آوازیں سن رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ انہیں کا قصہ چل رہا ہے اور گھر والی ناراض ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آجائے۔ چپکے چپکے اٹھ کر چلے گئے۔ لڑکی کا باپ جب باہر آیا تو خبیب کہیں نظر نہ آئے۔ وہ واپس اندر گئے۔ بیٹی نے پوچھا۔ "بابا کہہ آئے"

"کس سے کہتا۔ باپ بولا۔" وہ تو غالباً واپس جا چکے . . . بہت برا ہوا۔ "یہ تو واقعی بہت برا ہوا۔" لڑکی بولی۔

"اگر خبیب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔" "پھر"؟

"بابا آپ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں اور خبیب سے میری شادی کی حامی بھر لیں۔ جلدی جائیے ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری شکایت کر دیں۔"

انصاری جس وقت مسجد نبوی میں پہونچے تو لوگ نماز کی تیاری کر رہے تھے اور خبیب بھی وہیں ایک طرف بیٹھے تھے۔ انصاری نے اطمینان کا سانس لیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو خدمت میں کچھ کہنے کا ابھی موقع نہیں ملا تھا۔ نماز کے بعد وہ انصاری موقع پا کر حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ میرے

ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضور کا ارشاد ہے۔ ہمارے لئے باعثِ عزت بھی ہے اور فخر بھی۔ حضور خبیب سے فرمادیں کہ پرسوں جمعہ کی نماز کے بعد وہ آئیں اور نکاح پڑھوا کر بیوی کو لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر خیر و برکت کی دعا دی۔ ادھر انصاری دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوا کہ عزت رہ گئی، واپس چلا گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیب کو بلا کر مبارک باد دی۔

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد میں انصاری کی لڑکی سے نکاح کر کے بیوی کو رخصت کرلاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ میرا نہ کوئی گھر ہے۔ نہ میرے پاس پیسہ ہے۔ ایک اللہ کا نام ہی ہے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اللہ تعالیٰ سب مشکلیں حل فرمادے گا مسلمان کو چاہیئے کہ وہ کبھی مایوس نہ ہو اللہ ہی سب کا کارساز ہے اور مالک ہے اور اپنے بندوں کی طرف سے غافل نہیں ہوتا۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" عثمان کے پاس جاؤ۔ ان سے میرا سلام کہنا اور اپنی حاجت بیان کرنا انشاء اللہ سب انتظام ہو جائے گا۔"

خبیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جا کر ملے۔ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا۔ پھر اپنی حاجت بیان کی۔ حضرت عثمان نے اسی وقت رہنے کو مکان اور شادی کے اخراجات کے لئے روپے دیدیئے اور کہا کہ جب کبھی کچھ ضرورت ہوا کرے تو مجھ سے کہہ دیا کرو۔ حضور اکرم کو تکلیف مت دیا کرو۔

نکاح میں ایک روز باقی تھا۔ حضرت خبیب بازار میں بیاہ کے لئے سامان خرید رہے تھے۔ پاس سے ایک ملنے والے گزرے انہوں نے پوچھا: "خبیب کیا لے رہے ہو؟"

"خبیب بولے: "کل نماز کے بعد میرا نکاح ہے تم بھی ضرور آنا۔ کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" دوسرے نے جواب دیا!

اسلام کا دشمن ابوسفیان اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کو آگیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی روک تھام کے لئے جاچکے ہیں۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ دعا کرو کہ لڑائی سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچ جاؤں۔

اتنا کہہ کر اس نے اپنی راہ لی۔ خبیب نے جب سنا کہ پیغمبر خدا صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار سے لڑنے کو گئے ہیں تو غیرت نے جوش مارا۔ سب سامان وہیں چھوڑا۔ ایک تلوار اور گھوڑا لیا اور جدھر مجاہدین اسلام گئے تھے ادھر کی راہ لی۔ لیکن غلطی سے اپنے لشکر کی جانب جانے کی بجائے ابوسفیان کے لشکر کے عقب میں جانکلے اور نعرے مارتے ہوئے لشکر کفار پر ٹوٹ پڑے اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ابوسفیان کو خیال تھا کہ وہ بے خبری میں مسلمانوں پر حملہ کر دیگا لیکن یہاں آکر لینے کے دینے پڑ گئے۔ جاسوسوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے آنے کی اطلاع دیدی تھی۔ اور حضور اکرم دشمنوں کے آنے سے پہلے ہی اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل آئے تھے، ایک مختصر سے مقابلہ کے بعد ابوسفیان میدان چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ دونوں طرف سے کچھ آدمی اس معرکہ میں کام آئے تھے۔ مسلمان ادھر ادھر سے اپنے شہید بھائیوں کو اٹھا کر لاتے تھے اور دفن کر دیتے تھے۔ جب شہداء دفن ہو چکے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لڑائی کے دوران مجھے اپنے دوست کی دو چار بار آواز سنائی دی تھی۔ کہیں اسے بھی دیکھو۔

لوگوں کو تعجب تھا کہ وہ کون خوش قسمت تھا جسے حضور اکرم اپنا دوست فرما رہے ہیں۔ حضور نے خود ہی فرمایا

" میں نے ابوسفیان کے لشکر کی طرف سے خبیب کے نعروں کی آواز سنی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کفار کے لشکر پر عقب سے حملہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد چند مجاہد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش اٹھا لائے ان کا بدن زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ وہ خدا کی راہ میں شہید ہو چکے تھے کچھ دیر بعد جب حضرت خبیب کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضور تاجدار مدینہ بھی ساتھ تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضور چلتے چلتے اپنا پاؤں اس طرح بچا لیتے تھے جیسے کسی کے پاؤں کے نیچے کچل جانے کا اندیشہ ہو۔ جب لوگ حضرت خبیب کو قبر میں اتار رہے تھے تو اکثر رقیق القلب لوگوں کی

آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ لیکن حضور اکرم کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ یہ بھی لوگوں کے لیے بڑی عجیب بات تھی۔ اس واقعہ کے دو ایک روز کے بعد کچھ صحابہ مسجد میں بیٹھے حضرت خبیب کی شہادت اور حضور اکرم کے جنازہ کے ہمراہ جانے کے متعلق باتیں کر رہے تھے کبھی حضور اکرم کی طرف بھی کنکھیوں سے دیکھ لیتے۔ حضور اقدس سمجھ گئے کہ وہ لوگ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں حضور کے پوچھنے پر صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ہمارے ماں باپ حضور پر فدا ہوں جس روز خبیب کو دفن کیا گیا تھا ہم نے دو عجیب سی باتیں دیکھیں اجازت ہو تو عرض کروں حضور کی، اجازت دینے پر صحابی نے عرض کی۔

یارسول اللہ! حضور جب خبیب کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے تو غلاموں نے دیکھا کہ حضور چلتے چلتے اپنا پاؤں مبارک کھینچ لیتے ہیں پھر جب خبیب کی میت قبر میں اتاری جارہی تھی تو حضور مسکرار رہے تھے۔ یہ دونوں باتیں ہم غلاموں کے لئے کچھ عجیب سی تھیں۔ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا:

تم لوگ جب خبیب کا جنازہ اٹھائے لئے جارہے تھے تو جنازے میں اتنے فرشتے شامل تھے کہ چلتے چلتے میرا پاؤں ان کے پاؤں پڑا اور ان کے پاؤں میرے پاؤں پر پڑ جاتے تھے۔ جب تم لوگ میت قبر میں اتار رہے تھے تو حوران جنت شہید کے استقبال کیلئے اس کثرت سے موجود تھیں کہ میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا کہ یہ اسی خبیب کا جنازہ ہے کہ جس کے پاس بیٹھنا کبھی تمہیں پسند نہ تھا۔ اس کا مرتبہ دیکھ کر میں خوش ہو رہا تھا اللہ کے حضور میں امیر، غریب خوبصورت، بدصورت کی کوئی تمیز نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں اگر کوئی چیز مقبول ہے تو وہ بندے کے نیک اعمال ہیں۔

بقیہ صفحہ کا

مبارکہ سے پچاس دن قبل پیش آیا تھا، کے متعلق آیۂ کریمہ میں آپ سے دریافت کیا جارہا ہے کہ اے محبوب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں بھی اسلوب کلام استفہام تقریری پر مبنی ہے جس کا مفہوم اور مفاد یہ ہے کہ بے شک تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

تضمین بر کلام شفیق جونپوری۔ از: درج اعظمی
ضیاء العلوم خیر آباد

وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی!

چمن والوں نے کی پامال قدرِ اعتبار اپنی
سکوں ناآشنا دل ہے، طبیعت بے قرار اپنی
نہ پھول اپنے، نہ خار اپنے، نہ سیر مرغزار اپنی
نظر آتی ہے گلشن میں ہوا ناسازگار اپنی
گل باغ خلیلی بھیج دے بادِ بہار اپنی
ترستی ہے سدا شام غریباں، صبح خنداں کو
نہیں ملتی کہیں جائے اماں، مردِ مسلماں کو
مسلسل بیک رہی ہیں بجلیاں ملت کے ایواں کو
اُٹھا اے اُمت کے والی! کفر دھمکاتا ہے ایماں کو
علی کو حکم دیں آجائیں لے کر ذوالفقار اپنی
ہوئی جاتی ہے ویرانے میں شامل اپنی آبادی
رُلاتی ہے لہو ارضِ فلسطیں! تیری آزادی
اسیر دامِ دنیا ہو رہے ہیں دین کے بادی
"طریق مصطفےٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی
توکل کیا ہوا، وہ شانِ استغنا کہاں کھوئی؟
جو پہلے تھا وہی ہے آج بھی معیار حق گوئی
ہو کوئی متفق یا منحرف، پروا نہیں کوئی
"ہمیں کرنی ہے شاہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمتِ پروردگا اپنی
فضائے خلد کا منظر، حجاز قدس کا نقشہ
عقیدت سے جبیں خم ہو، دلِ شیدا کرے سجدہ
مؤدب سائلِ درآورج بھی ہو طالب صدقہ
وہ بیٹھے ہوں اٹھا ہو بارگاہ پاک کا پردہ
کہانی دریہ کہتا ہو شفیق جاں نثار اپنی

المجمع الاسلامی

مدارس کی ضرورت واہمیت، ان کے قیام اور ان کے لئے تعاون سے سبھی حضرات باخبر ہیں۔ لیکن مدارس کے اندر محدود طلبہ کو ایک متعین ومحدود نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ جب کہ بے شمار عوام اور خود طلبۂ مدارس کو بے شمار ایسی کتابوں کی تصنیف واشاعت عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے جسے پورا نہ کیا جائے تو لوگوں کی غلط فہمی، غلط روی بلکہ گمرہی محسوس طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ مدارس کا نظام خود اتنے کاموں پر مشتمل ہوتا ہے کہ ایک طویل اسٹاف رکھنے کے باوجود کچھ کمی باقی ہی رہ جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں تصنیف واشاعت کی ذمہ داری بھی مدارس ہی کے سر ڈالی جائے تو اس سے ان کی مشکلات میں اضافہ تو ہوگا۔ مگر عصر حاضر کے تقاضوں کا معقول حل نہ ہوگا۔

اسی احساس کے تحت ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں المجمع الاسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے اب تک ستر سے زائد دینی وعلمی کتابیں شائع کیں۔ جنہیں مدارس کے اساتذہ وطلبہ، مساجد کے ائمہ وخطباء، اور عوام وخواص کے علاوہ کالجوں اور یونیورسیٹیوں سے تعلق رکھنے والے دیندار اور علم دوست طلبہ اور دانشوروں نے بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور احباب ادارہ کی ہمت افزائی فرمائی

مگر یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اب تک اس ادارہ کے پاس نہ کوئی وسیع وعریض زمین ہے نہ عمارت، نہ اس نے کبھی عوامی چندے کی اپیل کی۔ نہ لمبے چوڑے تعارفی پوسٹر شائع کئے۔ بس چند مخلص اہل ثروت جو بہت قریب سے المجمع الاسلامی کے کاز اور بلند عزائم سے واقف ہوئے اور محض خالصاً لوجہ اللہ اس کا تعاون کیا ان ہی کے سہارے اب تک یہ ادارہ یہاں تک پہونچا۔ اور مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ سے عاریتہً ملنے والے ایک دو کمروں میں بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی خدمات میں مصروف ہے جن سے علمی حلقہ متأثر بھی ہوا۔ اور اس کی راہ پر چلنے والے دوسرا دارے بھی پیدا ہوئے۔ اور اس کی کتابوں کا علمی انداز اور کتابت وطباعت کا اعلیٰ معیار دیکھ کر بہت سے شخصی کتب خانوں نے بھی اثر لیا۔ اور اپنی سطحی وغیر معیاری روش میں تبدیلی پیدا کی۔

یہ ادارہ کے مخلصانہ عمل کی وہ برکتیں ہیں جو رب کریم نے بہت قلیل عرصہ میں ظاہر فرمائیں۔ رہا یہ کہ اہل ثروت اور مالداروں نے اس کی طرف نظر تعاون نہ اٹھائی۔ بلکہ اس کی خدمات سے بھی آشنا نہ ہوئے تو ہمیں اس کا کوئی شکوہ نہیں۔ دراصل انہیں اس کا عادی بنا دیا گیا ہے کہ ان کے یہاں حاضری دے کر لمبی چوڑی تعریف کی جائے اور طویل طویل مطالبات ان کے سامنے رکھے جائیں جبھی وہ کچھ متأثر ہوتے ہیں۔ اور تعاون کرتے ہیں۔ ورنہ انہیں بذات خود کتابیں دیکھنے، پڑھنے، شائع کرنے والے اداروں کو سمجھنے بوجھنے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کی جانب دست تعاون بڑھانے پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ فاتحہ وعرس، سبیل ولنگر، اسی طرح مدارس ومساجد کے لئے بڑی بڑی رقم خرچ کرنا جانتے ہیں۔ مگر تصنیف واشاعت کے کام اور اس راہ کی مشکلات وضروریات سے آشنا بھی نہیں۔ وہ تو خیر مصروف اہل

تجارت وصنعت ہیں۔ عام طلبہ وعلماء بھی اس راہ کا نہ کوئی تجربہ رکھتے ہیں نہ اس سلسلہ میں کوئی مفید اور ٹھوس نظریہ نہ کوئی جامع اور بلند منصوبہ، جس کا سبب یہ ہے کہ مروجہ درس وتدریس، امامت وخطابت، مدارس کے مروجہ اہتمام وانصرام اور تعمیر سے زیادہ کسی چیز سے ان کا سابقہ ہی نہ پڑا۔ ایسے ماحول میں اگر ہم اہل ثروت کا شکوہ کریں تو بے جا ہوگا۔

ہاں! ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ رب کریم انہیں فکر ونظر کی بلندی عطا فرمائے، انہیں دین اور علم کا درد بخشے، انہیں تصنیف وتحریر اور طباعت کی ضروریات ومشکلات سے آشنا فرمائے۔ اور انہیں اس راہ میں خود پیش قدمی کی دولت وسعادت سے نوازے۔ اور کرم قدیر کے حضور یہ کوئی مشکل امر نہیں۔ وَہُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

آخر میں دین وعلم کا درد رکھنے والے تمام مخلصین سے ہماری اپیل ہے کہ المجمع الاسلامی جو اپنی نوعیت کا واحد تصنیفی واشاعتی ادارہ ہے اسے قوت دینا اور اسے خون فراہم کرنا بھی ملت کے درد مند اور حوصلہ مند افراد ہی کی ذمہ داری ہے۔ خدارا اس کی خدمات، اس کی مشکلات اور اگلے عزائم کو سمجھتے ہوئے اس کے استحکام وبقا اور فروغ وارتقا کی جانب توجہ مبذول فرمائیں۔ ورنہ دین وعلم کی جو عظیم خدمات وہ انجام دے رہا ہے اس کے لئے مشکل سے مشکل تر ہوتی جائیں گی۔ جس سے پوری قوم وملت کا خسارہ ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ محض ایک دینی وقومی ادارہ ہے۔ کسی شخص یا اشخاص کی ملکیت ہرگز نہیں۔ بحمدہ تعالیٰ اس کا سارا کام ایک ادارے کی سطح پر بڑی ذمہ داری اور حساب وکتاب کی صفائی کے ساتھ باضابطہ انجام دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کو مزید وسعت اور ترقی دینے کے لئے ادارے کی اپنی عمارت اور ضرورت کے مطابق افراد پر مشتمل ایک فعال اور باصلاحیت اسٹاف کی سخت ضرورت ہے۔ اہلِ علم، اہلِ ثروت اور اخلاص پیشہ سنی مسلمانوں سے اس کارِ خیر میں خصوصی تعاون کی اپیل ہے۔ نقد تعاون کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ ادارے کی اصلاحی وتبلیغی کتابیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں منگا کر اشاعت دین کی نیت سے اور اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کیلئے بھی فی سبیل اللہ تقسیم کریں۔ کتابوں کی تفصیل جاننے کے لئے ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر موجودہ فہرست کتب حاصل کریں ——— اور خالص تعاون کی رقوم بنام المجمع الاسلامی بذریعۂ ڈرافٹ یا منی آرڈر ارسال کریں۔

اپیل کنندگان

(مولانا) محمد احمد مصباحی ۔ (مولانا) عبدالمبین نعمانی قادری

مراسلت کا پتہ

مینیجر المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ مئو ۲۷۶۴۰۳ (یو پی)

فاضلانِ اشرفیہ کے لئے خوش خبری

آئندہ ماہ سے ماہنامہ اشرفیہ میں فاضلین اشرفیہ کے حالات کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ کچھ حالات موصول ہو چکے ہیں۔ جن فضلاء نے اب تک اپنے حالات ارسال نہیں فرمائے ہیں وہ خود یا انکے تلامذہ ومتعلقین جلد درج ذیل معلومات فراہم کریں۔
تاریخ ولادت۔ مولد ومسکن اور نسب۔ تعلیمی زندگی۔ درسگاہیں، اساتذہ۔ تدریسی تربیتی تعمیری تبلیغی، اور اصلاحی میدانوں کی قابل ذکر خدمات اور جو یادگار تصنیفات ہیں انکی تفصیل قابل ذکر تلامذہ دوسرے اہم کارنامے سبق آموز حالات۔ (مدیر)

ایڈیٹر کی ڈاک

ادارہ

ازکراچی

گرامی قدر مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ الحمد للہ۔ یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ آپ کا جریدہ "اشرفیہ" علمی اور نشریاتی سطح پر اہلسنت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے اس کے مضامین بڑے وقیع، تحقیقی اور معلوماتی ہوتے ہیں، آپ حضرات قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے اہلسنت کے منتخب فضلاء و قلمکاروں کی ایک ٹیم جمع کی ہے۔ اشرفیہ کے علمی معیار کی بنا پر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی لائبریری میں یہ ماہنامہ خاص اہتمام سے پڑھا جاتا ہے اور محققین اس کے مقالاجات خصوصاً حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور علمی خدمات پر تحریر شدہ مقالوں سے بہت مستفیض ہوتے ہیں۔

آپ کا یہ مؤقر جریدہ فروری ۱۹۹۰ء سے موصول ہونا شروع ہے اور ہو رہا ہے گذارش یہ ہے کہ گذشتہ پانچ سالوں کے پرچوں میں امام احمد رضا پر جتنے تحقیقی مقالے شائع ہوئے ہیں اگر ان تمام کی فوٹو کاپی ادارہ کو ارسال فرمائیں یہ بڑا کرم ہوگا، اُمید ہے انتظام فرمائیں گے۔ اگرچہ یہ کام محنت طلب اور وقت طلب ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ ادارہ کی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر امام احمد رضا کے حوالے سے تحقیقی کوششوں کے پیش نظر ضرور تعاون فرمائیں گے ــ یہ مقالے یکبارگی نہیں بلکہ اپنی سہولت سے آپ جستہ جستہ بھی بھیج سکتے ہیں۔ نیز اگر ممکن ہو تو ان تمام مضامین کو آپ "امام احمد رضا نمبر" کے نام سے شائع فرمائیں

ستمبر ۱۹۹۰ء کے پرچے میں امام احمد رضا کے کمالِ علم سے متعلق ایک بڑا تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے۔

۱۔ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت۔

از۔ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب

آپ کی اجازت سے ہم علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کا مقالہ اپنے سالنامہ "معارف رضا" کے انٹرنیشنل ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں شائع کر رہے ہیں۔

اُمید ہے کہ ادارہ کے تمام احباب بخیریت ہوں گے۔ ان تمام اور دیگر ارباب اہلسنت کو میری اور ادارہ کے جملہ اراکین کی جانب سے سلام علیک قبول ہو ــ نیز یہ تحریر فرمائیں کہ اگر پاکستان سے کوئی اس پرچہ کا ممبر بن کر سالانہ فیس بھیجنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ کار ہوگا اور ترسیل زر کا کیا طریقہ ہوگا۔

دُعائے خیر میں یاد فرمائیں۔

والسلام

وجاہت رسول قادری عفی عنہٗ

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی

۱۰ر جولائی ۱۹۹۱ء۔

ازمرادآباد

عظیم المرتبت گرامی قدر و منزلت حضرت مولانا مبارک حسین

صاحب زید حبہ

ہدیہ خلوص و عقیدت

ماہنامہ اشرفیہ کا زیر نظر شمارہ پڑھ کر قلب و جگر جسم و روح میں فرح و سرور خوشی و انبساط نشاط و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی یہ سب آپکی مساعی جمیلہ کا ثمرہ و نتیجہ ہے جو رہنمائے قوم و ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب عزیز ملت قبلہ مدظلہٗ العالی کی زیر نگرانی ترقی کی منزلوں کو طے کر رہا ہے مضامین تو بہت نظروں سے گزرتے ہیں لیکن ماہنامہ اشرفیہ کے شائع شدہ مضامین قابل دید ہوتے ہیں کیونکہ اسکے معیاری مضامیں عصر حاضر میں پھیلی ہوئی کفر و ظلمت جہل و ضلالت و گمراہی کو واشگاف کر کے مینارۂ رشد و ہدایت بنتے ہیں اگر آپ یہ جد و جہد سعی و کوشش پیہم و دائم رہی تو یقیناً یہ یکتا اور یگانہ رسالہ سنیت کی ترجمانی اور باطل کی سرکوبی کے لئے کافی و وافی رہے گا مولےٰ عز و جل اسکو نظر بد سے محفوظ و مامون فرمائے اور اسکو روز افزوں ترقی و توسیع کے بام و عروج پر گامزن فرمائے آمین ثم آمین۔ سمیر احمد سیفی نوری الیف۔ آر ۲۰۸ رفیع اللہ گنج ٹھاکر دوارہ مرادآباد۔ یو۔ پی

از نینی تال

محب محترم ذوالمجد والکرم حضرت مصباحی صاحب

ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ

سلام مسنون

پکھ تو مجبوریاں رہی ہونگی
یوں کوئی بیوفا نہیں ہوتا

بہت سارے خطوط لکھ چکا ہوں مگر کسی ایک کا بھی جواب نہیں۔ آخر ایسا کیوں؟ بیخبر ہوں۔ خدا کرے کہ آپ بھی بعافیت ہوں۔ زرسالانہ ختم ہوچکا ہے اطلاع نامہ موصول ہوا شکریہ۔ رسالہ جاری رکھیں سالانہ زرمبادلہ ارسال کررہا ہوں۔

راقم الحروف کے برادر اصغر جناب محمد علی صاحب سلمہٗ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں ایم۔ ایس سی میں زیر تعلیم ہیں وقتاً فوقتاً وہاں میرا آنا جانا رہتا ہے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس وقت ہندوستان میں جو چند مسلم مرکزی ادارے ہیں ان میں کسی بھی اعتبار سے ہماری کوئی شمولیت نہیں جبکہ ایسا ہونا لابدی تھا اور ہے۔ علیگڈھ یونیورسٹی میں ہر شعبہ میں وہابیہ وجماعت اسلامی کے لوگ پوری طرح مسلط ہیں آخر ہماری یہ پچھوا چال کب تک رہیگی۔ یہ سکوت کون توڑیگا۔ ہمارے یہاں صرف امام احمد رضا کے نام پر عوام غریب مزدوروں سے زوردار نعرے لگوانے

؎ وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے

میرے دوست میرے کچھ تاثرات ہیں جو بہت جلد منظر عام آنے والے ہیں دعا کریں۔

خدا بھلا کرے مبارکپور والوں کا کہ انھوں نے حضور حافظ ملت کی صدائے حق پر لبیک کہہ کر دنیا بھر کے مسلمانوں پر احسان عظیم کردیا کہ ہمیں "الجامعۃ الاشرفیہ" جیسا گہوارہ علوم وفنون دیدیا جسکی نمائندگی وقت کے تقاضوں کو رفتہ رفتہ پورا کررہی ہے۔ جن علمائے اہلسنت نے انگریزی کو نجس جان کر قریب نہ آنے دیا اور اسکی ضرورت سمجھنے والوں پر کفر وارتداد کے فتوے لگائے اور اپنا ایک بہت محدود دائرہ کار رکھا آج انھیں علماء کی نسلیں نہ صرف انگلش پڑھ رہی ہیں بلکہ مغربی تہذیب کا پیکر بنی ہوئی ہیں۔ اس دورنگی چال کا کیا جواز ہے؟

خطائے بزرگان گرفتن خطاست ؏

اب ہمیں عوامی ماحول سے زیادہ اس ماحول میں کام کرنیکی اشد ضرورت ہے جہاں دہریت، اور نجدیت نے اپنے پنجے جمالیئے ہیں۔ اور اس ماحول میں زندگی بسر کرنیوالے قوم کے خواص اپنی اپنی جماعتوں کا ٹھوس کام کررہے ہیں۔ میری مراد ہے وکلاء، ڈاکٹرس، انجینئرس، پروفیسرز، وغیرہ وغیرہ سے

اور کیا مصروفیات ہیں بھائی کچھ دعائیں ہمارے لئے بھی۔

حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب وجملہ احباب واساتذہ کرام کیخدمت میں سلام ادب عرض کردیں۔

محمد اشرف امام
جامع مسجد ہلدوانی ۔ نینی تال

از جبلپور

محب محترم اخی المکرم حضرت علامہ مبارک حسین صاحب مصباحی

خیریت طرفین مطلوب

سلام مسنون

آپکا دستی خط ملا پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی ناچیز بفضلہ تعالیٰ ہر طرح بعافیت ہے۔

محب گرامی جب سے اشرفیہ ماہنامہ آپ کی ایڈیٹری میں شائع ہورہا ہے اسکا معیار بہت بلند ہوگیا ہے۔ سچ پوچھئے تو میرے دل کی خوشی کا عالم یہ ہے کہ اشرفیہ کو پڑھ کر مسرت وفرحت وانبساط کے بام عروج کو چھورہا ہے۔ مزید آپ کا اداریہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کسی حسین پھلواری کے گلگشت میں مصروف ہوں۔ معیاری مضامین کے ساتھ عمدہ تزئین نے اشرفیہ میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ آپ کی عمر میں بے پناہ برکتیں عطاء فرمائے رسالے کو روزافزوں ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

کام آپ کی دعا سے بہت اچھا چل رہا ہے مزید دعا فرمائیں۔ دیگر یہ ہے کہ میں آپکے اشرفیہ کے فروغ کے لئے کوشاں ہوں آپ جو بنڈل مولانا ایاز صاحب کے نام بھیجا کرتے تھے وہ میرے نام پر ارسال فرمادیا کریں۔

☆☆

ادارہ

"دعوت اسلامی" وقت کی اہم ضرورت

سڑک کے کنارے کنارے۔ گردنیں جھکا کر چلتے ہوئے چند نوجوانوں کا ایک جھرمٹ نظر آیا جو اپنے سروں پر گنبد خضراء کی بہار ہرے رنگ کا عمامہ سجائے ہوئے تھے۔ آس پاس کے سارے لوگوں کی نظریں انہیں کی طرف متوجہ ہوگئیں اور میری طرح دوسرے لوگ بھی اس جستجو میں نظر آنے لگے کہ یہ کون ہیں؟ ــــ جب اُن سے استفار کیا گیا تو اُن میں سے ایک نوجوان ہماری طرف متوجہ ہوا، جس کی آنکھوں میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سُنّتِ مبارکہ سرمہ سجا ہوا تھا ــــ نہایت نرمی اور سادگی سے اُس نے جواب دیا۔

ہم دعوت اسلامی والے ہیں اور اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ ملکر اپنی اور سارے اسلامی بھائیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا۔ یہ دعوت اسلامی کیا ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں؟

دعوتِ اسلامی ایک عملی تحریک ہے اور اس کے دو مقاصد ہیں ۱۔ ساری امتِ مسلمہ میں عشق سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار کرنا ۲۔ عشق مصطفےٰ کا بھرپور تقاضہ پورا کرنا اس تحریک کے بانی کون ہیں؟

"دعوت اسلامی" کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس القادری رضوی ہیں جو امام اہلسنّت، امام عشق و محبت، امام احمد رضا خان، علیہ رحمۃ المنّان کے عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ تصویر ہیں۔ اور حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کی تازہ مثال ہیں۔ ان کو ہمارے سرکار اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضور مفتی غلام محمد خان صاحب مدظلہٗ بانی دار العلوم امجدیہ ناگپور سے خلافت کا شرف بھی حاصل ہے۔

یہ آپ کے ہاتھ میں اتنی موٹی کتاب کون سی ہے؟

یہ فیضانِ سنّت ہے۔ اسے بانی دعوت مولانا محمد الیاس القادری رضوی نے ترتیب دی ہے اس میں علمائے اہلسنّت کی مستند کتابوں کے حوالے سے "فضائل" اور "مسائل" بیان کئے گئے ہیں۔ ہم اس کتاب کا درس متعدد مساجد میں نماز کے بعد صرف پانچ یا دس منٹ دیتے ہیں۔

آپ لوگ کس مدرسہ سے فارغ ہیں؟

نہیں۔ ہم لوگ مدارس کے سایۂ عاطفت سے محروم رہ جانے والوں میں سے ہیں دعوت اسلامی کی وجہ سے یہ ماحول ملا جو اس صورت میں نظر آرہا ہے ہم میں سے اکثر لوگ تاجر ہیں جو اپنی تجارت کرتے ہیں۔ اور وقت نکال کر تھوڑا سا دینی کام بھی کر لیتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے ملازم پیشہ بھی ہیں کچھ کالج کے طلبہ بھی ہیں۔

آپ کے یہ سارے کام کس طرح انجام پذیر ہوتے ہیں یعنی مالی کفالت کے کون سے ذرائع آپ اختیار کرتے ہیں؟

الحمد للہ ہم لوگ خود اپنا اپنا خرچ کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں کوئی چندہ نہیں کرتے اور نہ ہی نذرانہ وصول کرتے ہیں نہ ہی مرکز سے ہماری کوئی مالی امداد کی جاتی ہے۔

اچھا تو دعوتِ اسلامی کی تحریک کس منزل پر پہنچ چکی ہے۔؟

الحمد للہ دعوتِ اسلامی کا کام کافی وسیع ہوتا جارہا ہے اور ہمارے نوجوان سنتوں کے پابند ہوتے جارہے ہیں۔ دعوتِ اسلامی کا ہفتہ واری اجتماع کئی شہروں میں پابندی سے ہورہا ہے کراچی میں حضرت مولانا محمد شفیع اکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے قریب مسجد گلزار حبیب میں ہفتہ واری اجتماع میں پندرہ سے بیس ہزار تک اسلامی بھائی شرکت کرتے ہیں اور کراچی ہی میں سالانہ اجتماع بھی ہوتا ہے جس میں پاکستانی اخبارات کے مطابق ۳۰ سے ۳۵ لاکھ لوگ شریک ہوتے ہیں۔

دیکھئے اذان کا وقت ہوگیا آئیے مسجد چلیں نماز کے بعد ان شاء اللہ درس ہوگا اُس میں بھی شرکت کریں۔

جب میں اُس نورانی قافلہ کے ساتھ
چلنے لگا تو میرے بھی دل میں یہ خواہش
جاگی کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
سنّت مبارکہ "عمامہ" مجھے بھی پہننا چاہئے۔
چلتے چلتے اُسی نوجوان نے جو غالباً اُن کا
امیر تھا اپنے جیب سے ایک خوبصورت
اسٹیکر نکالا جس پر عربی رسم الخط میں لکھا
تھا الصلوٰۃ والسلام علیك یا
رسول اللہ۔ وہ اسٹیکر نوجوان نے
میری طرف بڑھادیا میں نے پوچھا یہ
کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں
یہ میری طرف سے تحفہ ہے میں نے لینے
میں تھوڑا ایس و پیش ظاہر کیا تو کہنے
لگے تحفہ قبول کرنا بھی سنّت ہے اب
میں انکار نہ کرسکا — یہ ہے دعوت
اسلامی کی ایک جھلک۔ اس سے اندازہ
لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں دعوتِ
اسلامی کی کتنی شدید ضرورت ہے۔ جو
بھی اسلامی بھائی اس کا مزید طریق کار معلوم
کرنا چاہیں وہ بمبئی میں مینارہ مسجد کے
پیچھے مسجد اسماعیل حبیب میں ہر سنیچر
کو بعد نماز عشاء — اور ناگپور میں فوارہ
چوک کے پاس لوہارپورہ کی مسجد میں —
اور رائپور میں حلوائی لائن جامع مسجد
میں اجتماعات میں شرکت کریں خود سنّتوں
کے عامل بنیں اور اہلسنت میں اصلاحی
عملی جذبہ ابھارنے کے لئے اپنے اسلامی
بھائیوں کو دعوت دیں۔

فخر الدین احمد القادری المصباحی الاشرفی
مدرس دار العلوم احمدیہ بغدادیہ ناگپور

جامعہ ٹیپو میں عرس سرکار مفتی اعظم ہند

مورخہ ۱۴ محرم الحرام بروز سنیچر امام
العلماء، سید العرفا، تاجدار اہلسنت شہزادہٗ
اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم ھند علیہ الرحمۃ
کا عرس شریف جامعہ ٹیپو سلطان سرینگا
پٹنم میں بڑے ہی تزک و احتشام کیساتھ
منایا گیا جسمیں جامعہ ٹیپو کے اساتذہ اور
طلباء کے علاوہ سرینگا پٹنم، میسور،
ہنور، کے لوگوں نے بھی شرکت فرمائی،
جس میں جامعہ کے طلبہ و اساتذہ
نے خراج عقیدت پیش کیا سب سے
آخر میں جامعہ کے صدر مدرس حضرت
مولانا سجاد حسین خانصاحب نے مفتی
اعظم علیہ الرحمۃ کی زندگی پر بھرپور روشنی
ڈالی۔ موصوف نے آپ کی ولایت
اور فقاہت کو دلائل و براہین سے
ثابت کیا اور یہ بھی کہا کہ مفتی اعظم مجدد
اعظم اعلیٰ حضرت کی امانت تھے آخر میں
صلاۃ وسلام فاتحہ و دعا پر تقریب کا
اختتام ہوا تبرکات بھی تقسیم ہوئے۔

سجاد حسین خان مصباحی
صدر مدرس جامعہ ٹیپو سلطان کرناٹک

جسپور میں عرس نوری

۱۳ر محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۶۔
جولائی ۱۹۹۱ء بروز جمعہ مبارکہ جامعہ
عربیہ اہلسنت بدر العلوم جسپور کے وسیع
و عریض میدان میں انجمن فیضان رضا
کی جانب سے حضور مفتی اعظم ہند الشاہ
محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب نوری کا عرس
بڑی شان و شوکت کیساتھ منایا گیا
عرس میں شہر کے بے شمار اہل عقیدت
و ارادت نے شرکت کی اور قرب و جوار
کے جملہ علماء کرام شریک اجلاس ہوئے۔
جلسہ کا افتتاح تلاوت کلام پاک
سے ہوا جلسہ کی نظامت عالی مرتبت
قاری خلیق احمد صاحب رضوی نے فرمائی
اور استاد القراء حضرت مولانا قاری
محمد شریف صاحب نوری صدر شعبۂ
تجوید و قراءت نے سیدنا حضور مفتی اعظم
ہند کی سیرت مقدسہ پر بہترین تقریر فرمائی۔
اسکے بعد مولانا محمد سلطان رضا
صاحب نوری بہرائچی نے اہل جلسہ سے
خطاب کیا۔ اخیر میں ایک بج کر چالیس
منٹ پر قل شریف ہوا بعدہ صلوٰۃ وسلام
اور دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔

المعلن شفیق احمد سکریٹری

جشن صد سالہ مفتی اعظم کے منصوبے پر عمل

رضا اکیڈمی بمبئی کے بانی اسیر مفتی
اعظم محمد سعید صاحب نوری کے برادر عزیز
محمد ابراہیم رضا کے گلشن میں شاداب پھول
بروز بدھ ۲۴ رمضان المبارک کو کھلا جس
کا نام جشن صد سالہ حضور مفتی اعظم کے
منصوبے کی تحت محمد مصطفیٰ رضا نوری
رکھا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے
پیارے محبوب سرکار سیدنا محمد مصطفیٰ
صلی اللہ وتعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے طفیل
اس بچے کو دین و دنیا کی لازوال نعمتیں

عطا فرمائیں (آمین)

عبدالمجید موتی والے

بنارس میں جلسۂ سیرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مدرسہ انوارالعلوم جلالی پورہ بنارس میں مورخہ ۱۸ ذی الحجہ مطابق یکم جولائی ۱۹۹۱ء بروز پیر جشن یوم وصال خلیفہ سوم منایا گیا۔ بعد نماز فجر قرآن خوانی و ثواب رسانی کی تقریب ہوئی۔ بعد نماز مغرب عالیجناب الحاج سراج الحق صاحب کی صدارت میں جلسۂ سیرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ منایا گیا۔ جس میں تلاوت قرآن عظیم و نعت خوانی کے بعد حضرت مولانا محمد جہانگیر صاحب پرنسپل مدرسہ ہذا نے حیات خلیفۂ سوم پر بصیرت افروز تقریر فرمائی پھر صلواۃ و سلام اور دعا پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔

جلال الدین جنرل سکریٹری

الجامعۃ الزہراء اہلسنت اظہار العلوم کی اپیل

عوام اہلسنت کو اس بات کی خوشخبری دی جارہی ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد زین الدین اللہ صاحب نے مسلک اعلیحضرت کی نشر و اشاعت کیلئے لڑکیوں کا ایک ادارہ قائم کیا اس ادارہ سے آٹھ سال میں اب تک ۱۴ طالبات عالمہ کی سند حاصل کر چکی ہیں اور ۱۷ لڑکیاں سند تجوید و قرأت سے فراغت حاصل کر چکی ہیں اس ادارے میں کل ۱۳ مدرسین کا اسٹاف درس و تدریس کا کام انجام دے رہا ہے۔ اور ۴۰۰ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں اور اس ادارے میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو امور خانہ داری کا کام سکھایا جاتا ہے جیسے سلائی کلاس کشیدہ کاری مشین سے اور ہاتھ کشیدہ کاری اور اون سے بننے والے سوئٹر وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے تاکہ جو لڑکی مدرسہ ہذا سے تعلیم حاصل کر کے نکلے تو ایک مکمل ہنرمند ہو جائے اور اسکے ساتھ انگلش کلاس بھی جاری ہے اس مدرسے کے اراکین نے بیرونی لڑکیوں کا بھی رہنے کا انتظام کیا ہے اب الجامعۃ الزہراء اہلسنت اظہار العلوم میں صرف تعمیری کام کا ایک حصہ باقی ہے وہ بھی ٹنکی کا کام باقی ہے اور پلاسٹر کا کام باقی ہے اہل خیر حضرات سے گذارش ہیکہ اس ادارے کا بھرپور تعاون فرمائیں۔

فقط والسلام ــ محمد رمضان عبدالرحمٰن کالی

الجامعۃ الزہراء اہلسنت اظہار العلوم سروے ۲۱ پلاٹ ۲۷ مالیگاؤں ضلع ناسک ۴۲۳۲۰۳

رضا اکیڈمی کا امام احمد رضا ایوارڈ

مولانا مصباحی کے نام

"امام احمد رضا کی قلمی خدمات" پر ایک خصوصی اجلاس

بمبئی ۲۴ جولائی کچھی میمن جماعت کا بیکر اسٹریٹ بمبئی ۳ میں آج "امام احمد رضا کی قلمی خدمات" کے موضوع پر ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جسمیں ممتاز علماء و دانشوران بمبئی کے معزز افراد نے شرکت کی۔ جن سے میں چند علماء کے نام یہ ہیں ــ مولانا فیض احمد فیض مصباحی مولانا عبدالرشید رحمانی مصباحی۔ ابو الحقانی مولانا محمد حسین صدیقی مصباحی مولانا شاکر رضوی، مولانا صغیر احمد بریلوی، مولانا نسیم اشرفی۔ مولانا عبدالقدوس کشمیری، مولانا محمد ادریس بستوی، مولانا عبداللہ خاں عزیزی، مولانا اسلم بستوی، مولانا رفیق رضوی، عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ مرادآبادی وغیرہ

حضرت مفتی شریف الحق امجدی نے صدارت اور مولانا قمر الحسن بستوی مصباحی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اس اجلاس میں مولانا یسٰین اختر مصباحی کو انکی کتاب "امام احمد رضا اور رد بدعات" اور دوسری فکری و تحریری خدمات کے پیش نظر رضا اکیڈمی بمبئی کی جانب سے توصیف نامہ اور خصوصی انعام مبلغ گیارہ ہزار روپئے پیش کئے گئے۔ جسے انھوں نے اسی وقت الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے تعمیری فنڈ میں عنایت کر دیا

دارالقلم دہلی سے متعلق علامہ ارشد القادری کے آئے ہوئے پیغام کو مولانا شفیق بستوی مصباحی اور رضا اکیڈمی کی طرف سے پیش کئے گئے توصیف نامہ کو مولانا معین الحق علیمی مصباحی نے پڑھکر سنایا۔ یہ اجلاس ۱۹۹۲ء میں رضا اکیڈمی بمبئی کی جانب سے ہونے والے سہ روزہ جشن صد سالہ حضور مفتی اعظم ہند کیلئے بطور تمہید منعقد کیا گیا تھا۔

محمد سعید نوری

IE ASHRAFIA MONTHLY
MUBARAKPUR. AZAMGARH (U.P.) INDIA
PIN-276404 ● ☎ 48, 49

Regd. N. AZM/N. P. 28
AGU. SEP. : 1991
Vol.16—No. 8-9

کی

★ جس میں اشرفیہ کی مختلف عمارتوں کی تصاویر رہتی ہیں۔
★ جس میں قرآن وحدیث کے حیات افروز ارشادات رہتے ہیں۔
★ جس میں بزرگوں کے معلوماتی اقوال زریں رہتے ہیں۔
★ جس میں اعراس مقدسہ کی تاریخیں اور مزارات کے عکوس رہتے ہیں۔
★ جس میں اسلامی تیوہاروں کے فضائل ومناقب رہتے ہیں۔

۶ ورقی مختلف ڈیزائنوں میں

دیدہ زیب طباعت سے آراستہ سائز ۲۰×۱۵ گرد موآرٹ پیپر چار کلر کی میاری طباعت

ملنے کا پتہ :۔ منیجر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۴۰۴

PRINTED AT : NISHAT OFFSET PRESS, TANDA-224190